مختلف موضوعات پر بہترین انعام یافتہ تقاریر..... طلباء کی سوچ میں وسعت اور تقریری مقابلوں کی تیاری کیلئے بیش قیمت نایاب تحفہ

بہترین انعامی تقریریں

تحریر و ترتیب

ڈاکٹر شبیر احمد باصل

(جنرل فزیشن و فارمسٹ)

نظر ثانی و اضافہ

منصور احمد بٹ

(تمغۂ حسن کمال و تمغہ صدارت)

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون 7352332-7232336

(ادارہ علم و عرفان کی شائع کردہ کتب کی مکمل فہرست اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	....	بہترین انعامی تقریریں
تحریر و ترتیب	....	ڈاکٹر شبیر احمد (جنرل فزیشن و فارمسٹ)
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
نظر ثانی و اضافہ	....	منصور احمد بٹ (تمغہ حسن کمال و تمغہ صدارت)
کمپوزنگ	....	انیس احمد
سن اشاعت	....	مارچ 2009ء
قیمت	....	=/120 روپے

......ملنے کے پتے......

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون 7352332-7232336

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار لاہور

فون: 7223584 موبائل 0300-4125230

فہرست

فہرست

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

تو نے اس باغ کو سینچا ہے لہو سے اپنے
تیری خوشبو سے تیرا باغ ہمیشہ مہکے

صدر محترم اور حاضرین محتشم!

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح آسمانِ سیاست ہند کا وہ روشن ستارہ ہے، جو برصغیر پر 72 سال تک طلوع رہا۔ جس کی روشن کرنیں آج بھی پاکستان کی صورت میں اس عالم کو منور کر رہی ہیں۔

صدر گرامی مرتبت اور سامعین باتمکین!

کسے معلوم تھا کہ کاٹھیاواڑ کے رہنے والے چمڑے کے ایک متوسط درجہ کے تاجر جناح پونجا کے ہاں پیدا ہونے والا یہ نحیف ونزار بچہ بڑا ہو کر اسلامیان ہند کا نجات دہندہ اور ان کا غم خوار بنے گا، وہ اپنی ملت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالے گا اور اسے ساحلِ مراد تک لے آئے گا، یہ معصوم بچہ بڑا ہو کر ان ظالموں اور لٹیروں کا محاسبہ کرے گا جو گزشتہ دو صدیوں سے اسلام کے نام لیواؤں کو اپنے ظلم اور ناانصافی کی چکی میں پیس رہا ہے۔

اصحاب بصیرت!

محمد علی جو بعد میں جناح کہلائے اور پھر اسلامیان ہند کے کروڑوں مسلمانوں کے قائداعظم بنے ان میں سیاسی رجحان تو لندن میں زمانہ طالب علمی کے دوران ہی پیدا ہو گیا تھا۔ مگر ہندوستان آ کر ایسی اقتصادی اور مالی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا کہ سیاست کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، لیکن جب حالات ذرا سازگار ہوئے، مالی دشواریوں کا بوجھ کم ہوا اور نسبتاً سکون و آرام میسر آیا تو آپ کا دبا ہوا جذبہ پھر ابھرا اور رفتہ رفتہ جناح نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

اب اندھیروں کا تسلط ہے یہاں
روشنی بن کر گزرنا چاہیے

صدر ذی وقار اور محترم حاضرین!

یہ دور اندھیروں کا دور تھا، روشنی کی کرن کہیں بھی نہ تھی۔ مسلمان سامراجی طاقتوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ آزادی کا سویرا ابھی بہت دور تھا۔ نوجوان بیرسٹر محمد علی جناح جسے دنیا قائداعظم کے نام سے جانتی ہے، اب بمبئی کا یہ نوجوان بیرسٹر جہاں عدالت کے کمرہ میں اپنی بیاحتِ بیان اور طلاقت لسان کے جوہر دکھاتا تھا، وہاں کانگریس کے اسٹیج پر ایک بلند خطیب اور پرمغز مدبر، ایک شعلہ مقال مقرر، ایک بے باک سیاستدان کی

حیثیت سے اس کے جوہر کھلنے لگے، وہ کانگریس کے پلیٹ فارم پر شیر کی طرح گرجتا اور بلبل کی طرح چہکتا تھا، اس کے زور کلام کی دھوم مچ گئی۔ اس کے دلائل کے آگے بڑے بڑوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔

خوف کی شب میں ہونٹ سینے سے
مرنا بہتر ہے ایسے جینے سے

صدر عالی منصب و سامعین والا نسب!

یہ نوجوان اپنے اندر ایک عزم و حوصلہ رکھتا تھا، وہ خوف کی اس تاریک شب میں ہونٹ سینے سے مرجانا بہتر سمجھتا تھا، وہ جب گرجتا تو لوگ دم سادھے اسے سنتے، وہ دھواں دھار تقریریں کرتا تھا، معرکۃ الآرا تجاویز پیش کرتا تھا۔ مفاد ملکی و ملی سے متعلق تجاویز کی تائیدیں کرتا تھا۔ اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں ساعت بہ ساعت اور لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔

صدر گرامی مرتبت!

اب جناح کی محبوب شخصیت عوام میں روشناس ہونے لگی تھی۔ وہ 1908ء میں سپریم امپیریل کونسل کے ممبر بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔

کر دیا ہے سامنے اب جسم کی دیوار کو!
آندھیاں رہ جائیں گی یا گھونسلا رہ جائے گا

اس انتخاب کی داستان بھی بڑی پر لطف ہے، سپریم امپیریل کونسل میں مسلمانان بمبئی کی ایک ہی نشست تھی۔ اس نشست کے لئے دو امیدوار تھے۔ دونوں خطابات سرکاری کی دولت سے مالا مال اور نعمت دنیاوی سے بہرہ ور تھے، دونوں کی تمنا تھی کہ کونسل میں جائیں، لیکن دونوں ایک دوسرے کی سرکاری وجاہت، سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ اثر و رسوخ سے بھی خائف تھے۔ دونوں ممبر ہونا چاہتے تھے لیکن ایک دوسرے کے مقابلے سے بھی گریز کرتے تھے کہ انجام خدا جانے کیا ہوگا۔

یہاں تو کوئی ایسا شخص چاہئے تھا جو آندھیوں کے سامنے اپنے جسم و جاں کی دیوار کھڑی کر دے۔ وہ آندھیوں سے ٹکرانے کا عزم رکھتا ہو، جو اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہو، آخر کافی غور و خوض کے بعد مسلمانوں کی نظر انتخاب محمد علی جناح پر پڑی، انہیں ان سے بہتر کوئی امیدوار دکھائی نہ دیا۔ اس لئے بمبئی کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اول الذکر دونوں امیدواروں کو میدان سے ہٹالیں اور کسی تیسرے کو میدان میں لے آئیں۔ جس کی اجابت رائے، معاملہ فہمی، قابلیت اور سیاست دانی کا دونوں لوہا مانتے ہوں۔ قرعہ فال جناح کے نام پڑا۔ دونوں حریف اس نام پر متفق ہو گئے۔

صدر محفل و ارباب فکر و دانش!

مسز سروجنی نائیڈو نے مسٹر جناح کو ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا خطاب دیا ہے، وہ اپنے اندر پوری خصوصیت رکھتا ہے۔ قائداعظم نے سیاسی میدان میں قدم رکھا، کانگریس کے پلیٹ فارم پر اپنے خدمات ملکی کا افتتاح کیا۔ مسلم لیگ کی رکنیت قبول کی اور محسوس کر لیا کہ یہ ملک اس وقت تک آزاد نہیں ہوگا جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشدلانہ اور مخلصانہ تعاون اور مفاہمت نہ ہو۔ جب تک ان دونوں بڑی اقوام میں علیحدگی رہے گی، اس وقت تک غلامی کی زنجیریں بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائیں گی۔ چنانچہ آغاز کار سے قائداعظم کی یہ کوشش رہی کہ ہندوؤں اور

مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو جائے۔ یہ دونوں مل کر آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیں اور شانہ بشانہ حریت کی منازل طے کریں، لیکن ان کی یہ کوشش کبھی کامیاب نہ ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوؤں نے کبھی بھی اس کوشش کا خلوص دل سے خیر مقدم نہ کیا۔

شکست کھا گئی مکاری ہنود و فرنگ
زمانہ یاد رکھے گا فراستیں اس کی

صدر ذی وقار اور گرامی قدر خواتین و حضرات!

جنگ عظیم کا آغاز 1914ء میں ہوا، اس وقت پھر قائداعظم نے محسوس کیا کہ آزادی حاصل کرنے کا یہ بہتر موقع ہے۔ اگر اس وقت ہندو اور مسلمان متحد اور متفق ہو کر حکومت کے سامنے اپنا مطالبہ حریت رکھیں تو وہ نظر انداز نہیں کر سکتی، اسے مجبور ہو کر ہندوستانیوں کی متفقہ آواز سننا پڑے گی۔ اس پر کان دھرنا پڑے گا اور ان کا متحد و متفقہ مطالبہ ماننا پڑے گا۔

اس مقصد کے پیش سبب جب کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ قائداعظم نے کوشش کی کہ مسلم لیگ کا اجلاس بھی یہیں منعقد ہو، تا کہ ان دونوں بڑی جماعتوں کے لیڈر آپس میں بیٹھ کر ایک راہِ عمل تلاش کر لیں۔ جو سب کے لئے قابل قبول ہو، کانگریس کے خلاف مسلمانوں کے دل میں بدظنی تھی، وہ کانگریس کی روش سے بیزار تھے، وہ کانگریس سے بوجہ مخصوص و معلوم دور رہنا چاہتے تھے، ان کی اس روش کے باوجود انہیں کانگریس کی طرف مائل کرنے کی کوشش ان کے کانوں تک کانگریس کا پیام پہنچانے انہیں کانگریس سے صلاح و مفاہمت کر لینے کی دعوت دینا بڑا مشکل کام تھا، لیکن اس کارِ دشوار کو اس باہمت رہنما نے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اپنے بہت سے مسلمان دوستوں اور ساتھیوں کو ناراض کر کے آپ نے یہ مہم سر کی لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ کیا مفاہمت ہوئی؟ جواب نفی میں ہے، اور اس المیہ کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر عائد نہیں تمام تر ہندو رہنماؤں پر ہے، جنہوں نے وقت کی پکار سننے سے انکار کر دیا، جنہوں نے معاملہ کی اہمیت نہ سمجھی، جنہوں نے ایک بہترین موقع اپنی کوتاہی فکر سے ضائع کر دیا۔

چٹکیاں لیتی ہے آج دل میں اس محسن کی یاد
ہو گیا شرمندہ تعبیر جس سے خوابِ قوم

محترم صدر اور معزز سامعین و حاضرین کرام!

قائداعظم ایک پختہ مزاج، بے حد محنتی اور دانشمند انسان تھے۔ آپ زندگی میں بڑے بڑے واقعات، حادثات اور مشکلات سے دوچار ہوئے مگر آپ نے اپنی فطری صلاحیتوں اور عزم و ہمت سے ہر مشکل کو سر کر لیا۔

اربابِ دانش!

عظیم رہنما بننے کے لئے ہر خصوصیت آپ کی شخصیت میں موجود تھی، لیڈر دلیر ہو، نڈر ہو، بے باک ہو، حق بات کرتا ہو، جرأت کا مظہر ہو، حق پرست ہو، اظہارِ صداقت کی جرأت رکھتا ہو۔

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

جناب صدر ذی وقار!

ایسا لیڈر جو با اصول ہو، عظیم مقصد اور اعلیٰ نصب العین کے لئے کسی بھی سودا بازی اور مفاہمت کو گوارہ نہ کرتا ہو، دل قوم کے درد سے لبریز ہو، قوم کی نفسیات سے باخبر ہو، اس کی فلاح و بہبود مدتائے نظر ہو۔

نگہ بلند، سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

صدر عالی مرتبت و حاضرین با تمکین!

ہمارے قائداعظم کو خدائے عظیم نے قائدانہ صلاحیتیں، رہنما کی صفات، بلا کی ذہانت، حد درجہ محنتی، ایماندار، با اصول، ٹھوس اور غیر جذباتی انداز کا حامل بنایا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی قوم، آپ کے غیور شہری، قابلِ فخر پاکستانی، باہمت اصول پرست مسلمان آپ کی زندگی، شخصیت، افکار، فراخ، خود اعتمادی کا نمونہ ہے۔

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جناح

صدرِ محفل!

وقت کا تقاضا ہے ہم خلوصِ دل سے عہد کریں کہ قائداعظم جس قسم کے ملک اور قوم کی خواہش رکھتے تھے، ہم وہ نمونہ کی قوم بن کر دکھائیں۔ قائداعظم ہمیں جیسا پاکستانی دیکھنا چاہتے تھے، آیئے عہد کریں ہم ویسے ہی پاکستانی بن کر دکھائیں گے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو ثابت قدم رکھے۔

بابائے ملت قائداعظم محمد علی جناح

آنکھوں میں لہو بھر کے ہی اظہار کریں کیوں
یہ ہونٹ، یہ الفاظ، زباں کس کے لئے ہے

صدر عالی وقار و حاضرین محتشم!

وہ زعم ملت، مجاہدِ بت شکن جنہیں آج عالمِ اسلام قائداعظم کے نام سے یاد کرتا ہے 25 دسمبر 1876ء کو کراچی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم طے کرنے کے مراحل کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہو گئے اور وہاں سے بیرسٹری کی سند لے کر اپنی قوم کی ترجمانی کرنے کے لئے وطن واپس آئے تو اس وقت ہنوز آپ کی قوم ہندو و فرنگ کی دوہری غلامی کی چکی میں پس رہی تھی۔ ایسا شخص جس کے دل میں اپنی قوم کا درد موجود ہو، جو اپنی قوم کو عظمت کی بلندیوں پر لے جائے صدیوں میں کہیں ایک پیدا ہوتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حاضرین عالی مرتبت!

جب آپ نے اپنی قوم کی زبوں حالی دیکھی تو آپ تڑپ اٹھے، اپنی قوم کو آزاد کرانے کے لئے بے قرار ہو گئے۔ تاریخ ہند نے بریسط اٹھائی اور یہ نسخۂ نو بہار جھوم جھوم کر مشتاقانِ دید کو سنایا۔

وہ بت شکن جہاد کے میدان میں آ گیا
طوفانِ تند و تیز بیاباں میں آ گیا
تاریخ جس کو ڈھونڈتی پھرتی تھی کو بکو
چل کر وہ آپ بزمِ محباں میں آ گیا
آزادی و جہاد کی کہتا ہوا اذاں
مسجد میں آ گیا وہ شبستاں میں آ گیا
وہ آ گیا، وہ آ گیا تھا جس کا انتظار
ابرِ بہار اپنے گلستاں میں آ گیا

قائداعظم آئے اوراس شان سے آئے کہ انہوں نے سیاست کے بڑے بڑے جغادری پہلوانوں کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ اٹھے تو اس طرح اٹھے کہ ہندو کی شاطرانہ چالیں ان کے آگے ناک رگڑتی ہوئی دکھائی دینے لگیں، بڑھے تو اس طرح بڑھے کہ انگریز کی ساری عیاریاں ان کے تدبر کے آگے سجدہ نیاز بچھانے پر مجبور ہوگئیں۔

صدرِ محفل، مہمانانِ ذی وقار اور حاضرین والا تبار!

اس شہبازِ سیاست نے جب غور وفکر کے ہمالہ پر کھڑے ہوکر ہندوستان کے مطلع پر نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوگیا کہ کرگس وزاغ وزغن مسلمانوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھانے اوراس کی ہڈیاں تک چبانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کا معاملہ ہے، یعنی رام راج کے قیام کی تدبیریں ہو رہی ہیں اور کہا جا رہا ہے سب ہندی ہیں، بھائی بھائی ہیں کا پرچار اور ودیا مندر کی اسکیمیں پروان چڑھ رہی ہیں اور فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہم مذہب سے بے نیاز ہوکر ہندوستان کی آزادی کی کوششیں کر رہے ہیں، متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا جا رہا ہے، مگر عملاً ہندو کی حکومت قائم کرنے کی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔

اربابِ علم ودانش!

مسلمان کی ابدی غلامی کے جال بنے جا رہے تھے، اور بڑے یہ ہانکی جا رہی تھی کہ ہم ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سب کی رہائی کے لئے انگریز کا جال توڑنے میں مصروف ہیں۔

حالات یہ تھے کہ یکایک ہندوستان کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں رعد آسا صدا گونجی جس نے ہندو اور انگریز دونوں کو بھونچکا کر دیا، آواز کیا تھی۔ صورِ اسرافیل تھا، جس نے دونوں دشمنوں کو پریشان حال اور آشفتہ بال کر دیا۔ یہ آواز قائداعظم محمد علی جناح کی آواز تھی۔ آپ نے بانگِ دہل کہا کہ ہندوستان میں دس کروڑ انسانوں میں مشتمل ایک ایسی قوم بھی آباد ہے، جو کسی صورت بھی ہندو کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کا دین و ایمان، قبلہ وکعبہ، رسول وہادی، تہذیب وتمدن، معاشرت وثقافت اور مقصدِ زندگی ہندو سے جدا ہے۔ اس لئے دونوں کی راہیں بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک کی راہ کعبہ کو جاتی ہے اور دوسرے کی ہردوار کو۔ اب الگ الگ رستے کے راہی ایک دوسرے کے ہمراہی میں کیسے چل سکتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان کے لئے ایک الگ خطۂ زمین درکار ہے جہاں وہ اپنے دین وایمان کو پروان چڑھا سکے، اور اپنی تہذیب وثقافت کو گلبار دیکھ سکے۔

صدرِ عالی صفات، مہمانانِ ذیشان اور حاضرین فیض انتساب!

ہندو یہ آواز سن کر بھونچکا رہ گیا، کیونکہ یہ آواز اس کی پکی پکائی کھیر کو دلیا بنانے اور اس کے تمام سازشی منصوبوں کو خاک میں ملانے والی تھی، اور جب قائداعظم نے مسلمانوں کو بتایا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کو ستلج اور بیاس کے پانیوں کے ساتھ گنگا اور جمنا کی لہروں نے بھی اسے خوش آمدید کہا، ہمالہ کی بلندیوں سے ابرِ رحمت بن کر یہی نغمے برسے اور بحرِ ہند کی بے تاب موجوں نے بھی یہی نغمے والہانہ انداز میں گا کر ان کا استقبال کیا۔ ایک ایک مسلمان فلک شگاف نعرے لگاتا ہوا قائداعظم کے اٹھائے ہوئے ہلالی پرچم کے نیچے کھڑا ہوگیا اور پاکستان کی تحریک ایک دریائے تند وتیز بن گئی جس میں ہندو کی سازشیں اور انگریز کی عیاریاں تنکوں کی طرح بہنے لگیں۔

صدرِ مکرم و دوستانِ عزیز!

23 مارچ 1940ء کی قراردادِ لاہور طوفان کی صورت اختیار کر گئی اور ہندو کی سیاست کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ چنانچہ قائداعظم کی قیادت میں یہ قافلہ برق رفتاری سے آگے بڑھتا چلا گیا اور اس نے سات سال کے قلیل عرصے میں انگریز اور ہندو کے سینے پر مونگ دلتے ہوئے پاکستان کا وہ خطہ جہاں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے مستانہ نعرے گونجتے ہیں حاصل کر لیا۔ یہ تھا قائداعظم کا وہ عظیم کارنامہ جس کی وجہ سے تاریخ جھوم جھوم کر ان کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی کا ورد کر رہی ہے۔

صاحبانِ بصیرت!

آج قائداعظم ہم میں موجود نہیں ہیں، مگر ان کا ایمان افروز پیغام اتحاد، یقین اور ایمان، آج بھی موجود ہے اور ہم اس کو حرزِ جاں بنا کر پاکستان کو ایک ناقابلِ تسخیر مملکت بنا سکتے ہیں۔

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح

یونہی بسی نہیں دل میں، محبت اس کی
ہمارے خوں میں ہیں، سب حرارتیں اس کی
وہ ایک مردِ نحیف و نزار تھا لیکن
حصارِ ملت بیضا تھی، جرأتیں اس کی
شکست کھا گئی، مکاری ہنود و فرنگ
زمانہ یاد رکھے گا، فراستیں اس کی

صدرِ محفل اور حاضرین فاضل!

پاسبان وہ کہلاتا ہے، جو ملت کی نگہبانی کا فریضہ ادا کرے اور اسے نام نہاد لیڈروں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھے۔ مردِ میدان وہ ہوتا ہے جو اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر اپنی قوم کا قبلہ درست کرے۔ رہنما وہ گردانا جاتا ہے جو اپنے پیروکاروں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے۔

جناب صدر اور اربابِ فکر و دانش!

قائداعظم وہ قرار پاتا ہے جو اپنی قوم کے تنِ مردہ میں حیاتِ سرمدی کی حرارت و حرکت پیدا کر دے۔

لاریب جس پہ، روحِ قیادت کو ناز ہے
پنہاں تھا وہ خلوص، تیری بات بات میں

اربابِ ذی شعور!

اگر ہم مذکورہ اوصاف و صفات کا گلدستہ تیار کرنے کے لئے کسی گلستانِ پر بہار کا رخ کر لیں تو ہر غنچۂ و گل کی مہک گویا پکار پکار کر کہے گی کہ وہ قائداعظم، وہ رہنما وہ مردِ میدان اور وہ پاسبان صرف اور صرف بابائے قوم محمد علی جناح ہے۔

ملت ہے جسم و جاں ہے محمد علی جناح
تصویرِ عزم، جان وفا روحِ حریت

کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی بدحالی و بے بسی نے انہیں انگریز راج اور ہندو سامراجیت کا دستِ نگر بنا دیا تھا، ان کی غیرت وحمیت، غرقِ دریا ہو چکی تھی۔ وہ منزلِ مقصود سے اتنے دور جا چکے تھے کہ انہیں اپنا تشخص تک فراموش ہو چکا تھا۔

صدر فیض ترجمان وحاضرین ذیشان!

یہی وہ مثالی قائد تھا جس نے اسلامیانِ ہند کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، ان کے عقائد ونظریات کو ہندوازم کے چنگل سے نکالا اور انہیں فرنگی کی چالوں سے بچایا۔ انہیں اتحاد، تنظیم اور ایمان کا گلدستہ سجانے، سروں پر جہاد کا کفن باندھنے، دلوں میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ ابھارنے اور لبوں پر نغمۂ توحید الاپنے والا ایک ہراول دستہ بنا دیا جس کے نتیجہ میں مکار فرنگی کو سمندر پار بھگا دیا اور عیار ہندو کو گنگا جمنا میں بہا دیا۔

دشمن ہزار ادھر، تنِ تنہا ہے یہ ادھر
بے باک ہے، غیور ہے، خوددار ہے جناح

اربابِ ذی شعور!

بلاشبہ، یہی وہ پاسبانِ ملت تھا جس کی لغت میں مایوسی بلکہ ناممکن کا لفظ ہی نہیں تھا کہ وہ ڈرنا، لڑنا، لچکنا، بکنا اور جھکنا نہ جانتا تھا، بلکہ وہ سراپا استقامت اور سراسر شجاعت تھا جس نے سرِعام کہہ دیا:

"ہمارا مطمع نظر کیا ہے؟ بات صاف ہے۔ برطانیہ کا مقصد ہندوستان پر حکومت کرنا ہے، میں ان کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم نہ کانگریس کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے اور نہ ہی برطانیہ کو، ہم دونوں کے اثر سے آزاد ہونا چاہتے ہیں"۔

صدر گرامی ودوستانِ عزیز!

جب کانگریس کے طالع آزماؤں نے اعترافِ عظمت کے باوجود قائد کے اتحاد کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تو وہ مسلم لیگ کو اشتراکِ باہمی کے لئے استعمال میں لانے لگا۔ یہاں بھی دال نہ گلی تو مسلم لیگ ہی کی فعالیت اور مقبولیت پر مامور ہو گیا اور ایسی تگ ودو کی کہ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کے قافلۂ سالار قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم بنگال، میثاق لکھنؤ، تحریک ہوم رول لیگ اور تحریک ملی نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے حالات پیدا کر دیئے، بلکہ جواہر لال نہرو، گاندھی، راج گوپال اچاریہ، کرپی، لارڈ کرزن، لارڈ منٹو، لارڈ ویول اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور دوسرے رہنماؤں کے ساتھ سیاسی جھڑپیں، بحثیں، خط وکتابت، اعتراضات اور استفسارات نے دھیرے دھیرے، آزادی کے سفر کو منزل کے قریب کر دیا۔

جہاں ہم خشت خم رکھ دیں، بنائے کعبہ پڑتی ہے
جہاں ساغر پٹک دیں چشمہ زم زم ابلتا ہے

صدر عالی مرتبت اور حاضرین باتمکین!

جب 1936ء میں نہرو نے دعویٰ کیا کہ "ہندوستان میں صرف دو فریق آباد ہیں" تو میرے قائد نے للکار کر کہا، "ہندوستان میں ایک

تیسرا فریق بھی ہے اور وہ ہے مسلمان'' بلکہ اس نے واشگاف الفاظ میں کہا: ''اب پاکستان کی راہ میں کوئی طاقت مخل نہیں ہو سکتی'' اور پھر 23 مارچ 1940ء کا منٹو پارک لاہور کا تاریخی جلسہ اس عزمِ راسخ کا عملی مظاہرہ تھا، جس میں الگ وطن کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

صدرِ ذی وقار!

بالآخر 1940ء کو گاندھی نے اخبار ''ہندوستان ٹائمز'' کے ایک انٹرویو میں کہہ دیا کہ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان، اس سکیم کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں روک سکتی اور پھر چشمِ کائنات نے دیکھا کہ خدائے بزرگ و برتر نے قائداعظم کی شبانہ روز محنتوں اور قربانیوں کی لاج رکھ لی کہ برطانیہ کی لیبر حکومت کے پارلیمنٹری وفد کو یہ رپورٹ دینا پڑی، ''عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہندوستان کو اس امکانی قلیل ترین وقت میں آزاد کر دیں''۔

اربابِ فکر و دانش!

الحمدللہ کہ علامہ اقبال کے شاہین صفت مردِ مجاہد کے ہاتھوں، شاعرِ مشرق، مصورِ پاکستان علامہ اقبال کا خواب پورا ہوا، اور 14 اگست 1947ء کی شب دنیا کے نقشے پر سنہری حروف سے لکھا لفظ ''پاکستان'' ان کے قلب و نظر کو مسرور و شادمان اور مخالفین پاکستان کو ششدر و حیران کر رہا تھا، جس کے بانی اور پاسبان محمد علی جناح ہیں۔

قائداعظم زندہ باد!

پاکستان پائندہ باد!

❁

سماجی برائیاں اوران کا سدباب

زندگی تلخ ہے، مگر پھر بھی
ہم نے جاری رکھا، سفر پھر بھی
مشکلیں تو زمانے بھر کی ہیں
زندگی سے نہیں مفر پھر بھی

صدر فیض ترجمان وحاضرین عالیشان!

معاشرت کے لغوی معنی ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے کے ہیں لہٰذا معاشرہ انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو اس طرح زندگی بسر کرے کہ اس کے ارکان میں گہرا تعلق پیدا ہو جائے۔سب ایک دوسرے کے لئے ہمدردی وغم گساری، اخوت ومحبت بلکہ ایثار وقربانی کا مظاہرہ کریں۔

معاشرہ جسے ہم سماج بھی کہتے ہیں۔اس سماج میں جہاں اچھائیاں بھی پنپتی ہیں اور برائیاں بھی جنم لیتی ہیں۔اگر کسی سماج میں اچھائیاں ہی اچھائیاں ہوں تو معاشرہ مثالی معاشرہ ہوتا ہے۔

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم اے میر!
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

صدر باتمکین ومعزز حاضرین!

انسان مدنی الطبع ہے، بقول ارسطو، وہ سماجی حیوان ہے، یعنی وہ معاشرت پسند ہے، تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، یوں بھی وہ روزمرہ کی ضروریات اور غمی وخوشی کے لمحات میں دوسرے کا محتاج ہے۔علاوہ ازیں تنہائی اور اکلوتا پن، قید خانے سے کم نہیں ہے اور کوئی ذی شعور ایسا نہیں ہے جو خلوت نشینی کی بے بسی کے عذاب کو دعوت دے۔

حاضرین محفل!

ویسے بھی انسان برابر ہیں، سب کی سوچیں اور عزم وعمل کی راہیں ایک جیسی منزل مقصود کی متلاشی ہیں۔آخر ایسا کیوں نہ ہو! وہ ایک ہی باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔اخوت وبھائی چارہ کا تقاضا ان کی فطرت کا خاصہ ہے۔قرآن پاک کی سورۃ النساء میں ارشاد

باری تعالیٰ ہے،

''تمہیں ایک جان سے پیدا کیا''۔

اسی طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''تمام کے تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے''۔

الغرض تمام بنی نوع انسان ایک باپ کی اولاد اور آپس میں بہن بھائی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ یکساں حیثیت کے مالک ہیں۔کوئی گورا کوئی کالا، چھوٹا بڑا، شاہ وگدا، عربی و عجمی، مغربی و مشرقی وغیرہ نہیں ہے۔ہاں اگر کوئی تفریق و امتیاز ہے تو صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔اسلام کے واضح احکامات کے باوجود اگر کوئی خود کو دوسرے سے افضل و برتر، امیر یا طاقتور سمجھتا ہے تو وہ فتنہ وفساد کی جڑ ہے،اور ایسے ہی ناعاقبت اندیش اور ناپسندیدہ عناصر کا قلع قمع ہر دوسرے انسان کا فرض ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے روکے، اگر دست و بازو میں ہمت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کرے اور اگر اس سعادت سے بھی محروم ہے تو کم از کم دل ہی میں اسے برا جانے۔اگرچہ یہ ایمان کی کمزور ترین صورت ہے، گویا دوسرے میں بگاڑ پیدا کرنے والے ایسے انسانوں کی اصلاح ہم سب کا فریضہ ہے۔اس کے برعکس نیکی پھیلانے اور اچھائی کی اشاعت کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''تم میں سے ہر شخص نگران ہے،اور ہر شخص سے اس کی اہلیت کی بابت پوچھا جائے گا''۔

بلکہ اگر کوئی بدی دیکھتا ہے تو طاقت و ہمت کے باوجود اسے نہیں روکتا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی جواب طلبی کریں گے،اس ضمن میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے، بلکہ سورۃ آل عمران میں واضح طور پر فرمان الٰہی ہے کہ''تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو نیکی کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور معروف کا حکم دے اور برائی سے روکے''۔

لہو میں ڈوب کے اظہر لڑی جو مرغابی
سکھا گئی مجھے جینے کا ڈھنگ اڑتی ہوئی

ارباب فکر و دانش!

ہمیں بھی جینے کا سلیقہ سیکھ لینا چاہئے،انسان کا اس دنیا میں آنے کا مقصد صرف اپنے لئے جینا نہیں ہے،زندگی کا مقصد دوسروں کے کام آنا ہے،انسان وہی ہوتا ہے جو اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے جیتا ہے۔اس معاشرے میں پھیلی برائیوں کو ختم کرتا ہے،ہر طرف امن وسکون کا طبل بجاتا ہے،معاشرے میں پھیلی برائیوں کا سدباب کر کے اسے ایک پرامن اور خوشگوار معاشرے کی راہیں دکھاتا ہے۔

صدر ذی وقار!

اصلاح معاشرہ ہر دور کا تقاضا کر رہا ہے،کوئی نبی کوئی ولی ایسا نہیں ہے جس نے انسانوں کی بھلائی اور بدی کی بیخ کنی میں ہاتھ نہ بٹایا ہو۔میرے خیال میں پورے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا مقصد ہی معاشرے کی اصلاح اور سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کا

سدباب ہے۔ یعنی ایک ایسی معاشرتی تشکیل کی جائے جہاں سب اپنے معبود و مسجود خالق کے تابع فرمان بندے اور اپنے ہم جنسوں کی عزت و عظمت کے علمبردار ہوں، جیسا کہ بخاری و مسلم میں حدیث پاک ہے کہ ”مسلمان، مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو قوت دیتا ہے“۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ کی انگلی سے ملایا، گویا اسلامی معاشرہ ٹھیک ایسی عمارت ہے جس کی ایک اینٹ دوسری سے جڑی ہوئی ہے یعنی ایک کی قوت دوسری کی طاقت ہے کہ ہمدردی و غم گساری ایک دوسرے کا حق ہے۔

اسی ضمن میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

”مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ ہی بے یار و مددگار چھوڑتا ہے“۔

صدر عالی صفات اور معزز اصحاب گرامی!

ان فرامین مقدس کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہم اسلام کی روشنی کے باوجود ظلمتوں میں بھٹک رہے ہیں۔ بجائے ایک دوسرے کی امداد و تعاون کے خود غرضی اور ستم کاری میں مصروف ہیں بلکہ تباہی و بربادی ہمارے مشاغل بن چکے ہیں۔ کبھی وقت تھا کہ بیگانوں یا غیر مسلموں سے خوفزدہ تھے اب یہ عالم ہے کہ یگانوں اور مہربانوں کے ہاتھوں لٹ اور پٹ رہے ہیں۔ ایک ایسی فضائے ناخوشگوار ہے جسے خانہ جنگی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ستم بالائے ستم کہ ہمارے وطن اور اسلام کے دشمن چاہتے بھی یہی تھے کہ ہم مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوں اور نااتفاقی کی دیوار بن کر دھڑام سے گر پڑیں اور پھر سہارے کی تلاش میں ادھر ادھر پاؤں مارتے رہیں۔

نہ آہ کی ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

صدر گرامی وارباب فکر و دانش!

وطن عزیز کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں بحران نہیں، کوئی محکمہ نہیں جس میں کرپشن نہیں، کوئی چیز نہیں جس میں ملاوٹ نہیں، کوئی جماعت ایسی نہیں جس میں انتشار نہیں، کوئی گھر نہیں جس میں لڑائی نہیں اور کوئی فرد نہیں جس میں خود غرضی نہیں۔ الغرض ذرا آگے بڑھیے ٹی وی، ریڈیو جنسی بے راہروی کی آماجگاہیں ہیں تو اخبارات فحاشی کے پیغامبر، تقریبات رقص و سرور کی نمائش گاہیں تو مدارس علم و اخلاق بلکہ انسانیت کی قتل گاہیں، الامان والحفیظ۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

معزز سامعین محفل!

عالم، عالم کے خلاف ہے تو سیاستدان سیاستدان کا دشمن، استاد استاد کا رقیب ہے تو افسر افسر کے خلاف، کوئی وطن کے نام پر لوٹ رہا ہے تو کوئی مذہب کے حوالے اسے لپیٹ رہا ہے، کسی کو صوبائی تعصب نے بیمار کر ڈالا ہے تو کسی کو لسانی لعنت نے گرفتار کر رکھا ہے، کوئی دفتر ایسا نہیں جہاں سائل اپنے حقوق کے لئے ناصیہ فرسائی پر مجبور نہ ہو، کوئی گھر ایسا نہیں جو اتفاق و اتحاد اور بھائی چارے کی فضا سے معمور ہو، الغرض کبھی ایک دوسرے

کے دشمنِ جاں ہیں۔ گویا کوئی انسان نہیں سبھی حیوان ہیں، جیسے وطن عزیز کوئی جنگل ہو اور اہل وطن درندے۔

صدر محترم وحاضرین با تمکین!

یہ کیسی تہذیب ہے؟ یہ کیسا معاشرہ ہے، یہ کیسا سماج ہے؟ ہے کوئی محبّ وطن جوان حالات میں کمرِ ہمت باندھے، کفن سر پر رکھے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کلمہ حق بیان کرے، پرچم صداقت تھامے اور میدانِ عمل میں کود پڑے؟

صدر ذی حشم وحاضرین مکرم!

سسکتے ہوئے مجبور مرد وزن، بلکتے ہوئے معصوم بچے، روتے تڑپتے مستحق غلام ہماری غیرتِ ایمانی کو للکار رہے ہیں، یتیم، مسکین، بیوگان اور مجبور انسان مدد کو پکار رہے ہیں۔ بے بس باپردہ بہنیں ہماری راہ تک رہی ہیں کہ کوئی ان کی عزت وحرمت کا سائبان تھامنے میں ان کا ساتھ دے۔ بحثیت انسان ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اردگرد کے حالات و واقعات کی خبر رکھے اور جہاں بھی یہ بدنظمی، برائی یا بدامنی دیکھے صدائے احتجاج بلند کرے بلکہ ضرورت پڑنے پر زبان وقلم، دست وبازو حتیٰ کہ جسم وجاں سے مقابلہ کرے، کیونکہ ناانصافی ہی وہ فتنہ ہے جو سماج میں طبقاتی کشمکش پیدا کرتا، استحصالی قوتوں کو شہ دیتا اور حق داروں کو موت کی نیند سلاتا ہے۔

صدر گرامی!

دینِ اسلام جو سراسر اصلاحِ معاشرہ ہے، کسی پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی کسی برائی کو پنپتے دیکھ سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیشان ہے:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے''۔

اسی طرح ارشاد فرمایا:

''تو مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت کرنے اور ایک دوست کی طرف جھکنے میں ایسا دیکھے گا جیسے جسم کا حال ہوتا ہے۔ اگر ایک عضو کو کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو جسم کے بقیہ حصے بھی اسے محسوس کرتے ہیں''۔

فاصلوں کا خیال کرتے ہو
رہ نوردو! کمال کرتے ہو
مانگتے ہو سکوں زمانے سے
کس گدا سے سوال کرتے ہو

برادرانِ ملت!

سماجی برائیوں کے خاتمے کا سب سے بڑا ذریعہ حسنِ اخلاق ہے اور یہ خوبی اسلام کی جان ہے، جس کا اخلاق اچھا ہوگا، معاشرے پر بوجھ

نہیں رحمت ہوگا، نہ برائی کرے گا اور نہ ہی برائی کو تقویت دے گا، بلکہ بدی کو ہر سطح پر اور ہر انداز میں روکے گا۔ جیسا کہ قرآن پاک کی سورۃ المائدہ میں پیغامِ ربانی ہے:

''تم نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو''۔

اس سورہ مبارکہ میں آتا ہے:

''گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو......''

صدر ثریا شہاب!

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہونا ہی صالح معاشرے کی تشکیل کا سبب ہے۔ اسی طرح شرو حیا اختیار کرنے، نامحرم کو نہ دیکھنے، سادگی کو اپنانے، بے ہودہ مشاغل سے اجتناب کرنے اور دیگر فحاشی و بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے کی ہدایات معاشرے کی بہتری کے اقدامات ہیں، لیکن ہم ہیں کہ خیر سے بھاگتے اور شر کی طرف کودتے ہیں۔ برائی سے خوشی اور نیکی سے گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں جو کہ کسی بھی مسلمان کو زیبا نہیں ہے۔ بلکہ یہی کافری ہے، آخر نام کی مسلمانی کافری ہی تو ہے۔

بتوں سے مجھ کو امیدیں، خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی، اور کافری کیا ہے؟

صدر محترم و حاضرین مکرم!

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ استاد سے شاگرد تک، عالم سے طالب علم تک، افسر سے ملازم تک، کسان سے مزارع تک، صنعت کار سے مزدور تک حتیٰ کہ حکمران سے گاڑی بان تک، سبھی برائی کو برائی سمجھیں، بلکہ دوسروں کو بھی اچھائی کی طرف راغب کریں۔ اس سلسلہ میں ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے اداروں، محلوں اور محکموں میں اصلاحی کمیٹیاں بنائیں، شہر میں سرکاری سطح پر سیمینار منعقد کریں بلکہ اپنے گھروں میں بھی نیکی کی تلقین کو شعار بنائیں، نیز عہد کریں کہ کسی طور کسی بھی سماجی بگاڑ کو دیکھ کر خاموش نہیں رہیں گے۔

ارباب علم و دانش!

ان سماجی برائیوں کے سدباب کے لئے، اصلاحِ معاشرہ کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے علماء اور اساتذہ بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں، ان کا منصب ہی نسل انسانی کی رہنمائی اور برائیوں کے خاتمہ میں قدم قدم پر عوام کی پیشوائی ہے، علمائے دین مساجد کے منبر و محراب اور خداوندانِ مکتب اپنے اپنے مدارس کی جماعتوں حتیٰ کہ روزانہ کی اسمبلی میں تبلیغ کا فرض ادا کر سکتے ہیں کہ اس طرح روحانی و اخلاقی تربیت و صفائی، اچھے انسانوں کی تشکیل کا باعث بنتی اور بہترین صالح معاشرے کی تعمیر میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

خاموش کیوں، دادِ جفا کیوں نہیں دیتے؟
بسمل ہو تو قاتل کو دعا کیوں نہیں دیتے؟

منصف ہو اگر تم کب انصاف کرو گے؟

مجرم ہیں اگر ہم تو سزا کیوں نہیں دیتے؟

رہزن ہو تو حاضر ہے متاعِ دل و جاں بھی

رہبر ہو تو منزل کا پتہ کیوں نہیں دیتے؟

والدین کے حقوق

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمتِ رات کی سیماب پا ہو جائے گی

صدرِ ذی وقار اور حاضرین والا تبار!

والدین سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں، یہ ماں ہی کی مامتا ہے جو بچے کو شفقت سے پالتی ہے، اس کے لئے ہر قسم کی مصیبتیں اٹھاتی اور پال پوس کر اسے سنِ شعور کو پہنچاتی ہے، بچے کی ذرا سی تکلیف ماں کو پریشان کر دیتی ہے، وہ اپنی تکلیف سے بے پرواہ ہو کر بچے کی صحت اور تندرستی میں محو رہتی ہے، بچہ رونے لگے تو ماں بے تاب ہو جاتی ہے، غرض ماں ہی بچے کے لئے وہ سب کچھ کرتی ہے جو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ باپ بھی ماں کے ساتھ بچے کے دکھ درد کا شریک اور اس کی پرورش و تربیت میں برابر کا ساتھی ہوتا ہے۔

صدر گرامی و اربابِ علم و دانش!

غرض والدین جس محبت اور محنت سے بچے کو پروان چڑھاتے ہیں، وہ انہیں اس بات کا استحقاق دلاتی ہے کہ ان کی پوری پوری اطاعت اور خدمت گزاری کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد پر والدین کے احسانات کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے اور پھر اولاد کو اس امر کی ہدایت کی ہے کہ ماں باپ کا حق خدمت ادا کیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کر دی ہے، کیونکہ اس کی ماں نے تھک تھک کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا حق مانے"۔

میرِ محفل و اربابِ فکر و نظر!

اس آیت میں فرمایا کہ انسان اولاً اللہ تعالیٰ اور ثانیاً ماں باپ خصوصاً ماں کا حق پہچانے اور اس کی اطاعت کرے اور ماں باپ کی خدمت گزاری میں بقدرِ استطاعت مشغول رہے اور اس حد تک کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو، کیونکہ اللہ کی فرمانبرداری سب پر مقدم ہے۔

پھر فرمایا جہاں تک ہو سکے والدین کے ساتھ بھلائی اور نیک سلوک کیا جائے ان کے لئے اپنا مال خرچ کیا جائے، ان کے ساتھ ادب واحترام کا سلوک رکھا جائے۔ ان کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کیا جائے دستور کے مطابق ان کا ساتھ دیا جائے۔ بوڑھے والدین کے

ساتھ کبھی تنگی ترشی سے بات نہ کی جائے اور نہ انہیں جھڑکا جائے، اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے۔

سامعین مکرم!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ہم نے انسان کو ماں باپ سے بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے''۔

''اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا''،

''کہہ دو جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا''۔

''اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے تک آ پہنچے ہو تو خیال رہے انہیں اُف تک نہ کہنا اور نہ کبھی انہیں جھڑکنا''۔

''اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا''۔

''اور اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھ سے اس بات پر اڑیں کہ ہر اس چیز کو شریک مانو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا کے معاملات میں ان کا دستور کے مطابق ساتھ دے''۔

میر محفل وارباب فکر ونظر!

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اگر والدین دین کے معاملے میں کسی ایسے امر کی ترغیب دیں جو اسلام نے باطل قرار دی مثلاً بتوں کی پرستش تو ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں، اس لئے کہ اللہ کے حکموں کی پیروی سب باتوں پر مقدم ہے۔

صدر ذی وقار وسامعین مکرم!

یہ بھی فرمایا:

''اولاد کو والدین کے حق میں دعا مانگنی چاہیے''۔

''اور کہہ اے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا''۔

اس ضمن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ قابل غور ہے، آپ کی والدہ اسلام نہ لائی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام میں روگرداں رہنے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے والدہ سے تو کچھ نہ کہا، مگر روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئے اور ماجرا کہہ سنایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ میری والدہ کے حق میں دعا فرمائیں کہ وہ اسلام لے آئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرے پاس دولت ہے مگر میرا باپ غریب ہے، ارشاد ہوا:

''تم اور تمہاری دولت دونوں والدین کے لئے ہیں''۔

جناب صدر و حاضرین والا قدر!

والدین کا حق ایسا ہے کہ ان کی زندگی میں نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی اولاد پر باقی رہتا ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے والدین وفات پا چکے ہیں کیا ابھی بھی ان کا کوئی حق مجھ پر باقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں، ابھی کئی قسم کے حقوق کی ادائیگی تمہارے ذمے ہے، مثلاً ہمیشہ ان کی مغفرت کی دعا کرتے رہا کرو، انہوں نے زندگی میں کسی کے ساتھ وعدہ کیا ہو اور کسی وجہ سے اسے پورا نہ کر سکے ہوں تو تم پورا کرو۔ ان کے عزیزوں کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھو اور ان کے دوستوں کی بھی عزت کرو"۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی

نالہ ہے بلبل شورید ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
سعی پیہم ہے، ترازوئے کم و کیف حیات
تری میزان ہے شمار سحر و شام ابھی

گرامی قدر صدر، معلم معمارانِ ملت اور میرے ہم مکتب بھائیو!

آج مجھے آپ کے سامنے اس مشہور مصرعہ پر اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی ہے کہ "عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی"۔

سامعینِ ذی وقار!

انسان کی عزت وذلت کا دارومدار اس کے فکر وکردار پر ہے، بلکہ عمل ہی وہ ذریعہ ہے جس کی اچھائی سے جنت کی دائمی راحت اور برائی سے دوزخ کی سکونت میسر آتی ہے۔

دراصل یہ مصرعہ، شاعرِ مشرق، پیغامبر خودی حضرت علامہ اقبال کا ہے، جبکہ پورا شعر یہ ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں، نہ نوری ہے نہ ناری

صدرِ مکرم وسامعین محفل!

اس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ انسان فطری طور پر نہ تو نوری ہے اور نہ ہی ناری ہے بلکہ اپنے اعمال وافعال سے جنت یا دوزخ کو مقام بناتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نیک پاک پیدا فرمایا اور اسے حق وباطل کی تمیز بھی سکھا دی ہے۔ اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خیر کا حامل بنتا ہے یا شر کو ہمنوا بناتا ہے۔

اتنا نہ اپنی جائے سے باہر نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ، سنبھل کے چل
کم ظرف پہ غرور ذرا، اپنا ظرف دیکھ
مانند جوش غم نہ زیادہ، ابل کے چل
پھر آنکھیں بھی تو دی ہیں کہ رکھ، دیکھ کر قدم
کہتا ہے کون تجھ کو نہ چل، چل سنبھل کر چل

صاحب صدر!

دراصل اس مصرعہ میں عمل کا پیغام دیا گیا ہے جو کہ دین اسلام کا ارشاد ہے، کیونکہ عمل و کردار ایک مسلمان کی شان بلکہ پہچان ہے، قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جگہ جگہ عمل کی اہمیت وضرورت پر زور دیا ہے، اور بے عملی کو نہایت سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے، مسلمان تو کجا عام انسان بھی عمل کے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا، گویا بے عملی حیوانیت کے مترادف ہے، کیونکہ ایک جانور شروع سے آخر تک ایک ہی ڈگر پر چلتا رہتا ہے، نہ وہ شعور کا حامل بنتا ہے اور نہ ہی اپنے معیارِ زندگی میں بہتری وترقی کے لئے ہمت وکوشش کرتا ہے، گویا گدھا، گدھا ہی رہتا ہے لیکن عمل کرنے والا ایک شخص باقاعدہ انسان بلکہ اعلیٰ انسان کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔

اصحاب دانش!

یہ صرف عمل ہے جو ایک کم درجہ انسان کو باوقار رتبہ عطا کرتا ہے اور اسے دیگر ساتھیوں سے ممتاز ومنفرد بناتا ہے جس کے نتیجے میں وہ راہنمائی وپیشوائی کا درجہ پاتا ہے، گویا عمل اور محنت ہی پتھر کو گوہر، قطرے کو دریا، بیج کو شجر اور ذرے کو خورشید پُر ضیاء بناتا ہے۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

دوستانِ عزیز جو لوگ عمل سے گریزاں اور غفلت وکاہلی پر کوشاں ہیں، وہ یقیناً ناکام ونامراد انسان ہیں، کیونکہ دنیا اس قدر تیز رفتار ہے کہ رکنے والے اس کی تاب نہیں لا سکتے۔

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا، کچل گئے ہیں

اقبال پیغامبر حرکت وحرارت ہی نے مسلمانوں کو عمل پر نہیں ابھارا بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین مقدسہ بھی پیغامِ عمل سے بھرے پڑے ہیں حتیٰ کہ سارا اسلام، عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل کا دوسرا نام ہے کہ یہ دین عمل ہے، غور کریں تو تمام ارکانِ اسلام کا تعلق عمل سے ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ حتیٰ کہ معاملات یعنی حقوق العباد بھی سراپائے عمل ہیں۔ دکھی انسانوں کی امداد، مریضوں کی سچائی، کمزوروں کی حوصلہ افزائی اور

بڑوں کی عزت افزائی وغیرہ سبھی کا تعلق اس سے ہے، نہ کہ زبانی جمع خرچ، محبت اور لفظی خدمت جو کسی بھی دین ومذہب کو گوارا نہیں ہے۔

وہی ہے صاحب امروز، جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

صدرعالی صفات، مہمانِ ذیشان اور حاضرین فیض انتساب!

کون نہیں جانتا کہ انسانی زندگی عمل سے عبارت ہے، نفس کی آمدوشد کا سلسلہ ٹوٹ گیا تو زندگی روٹھ گئی، گویا بے عملی موت ہے، اور موت فنا کا دوسرا روپ ہے، جو قطعاً پسندیدہ نہیں ہے، عمل تو نظامِ کائنات کا مرکز ومحور ہے، یہ صبح وشام کا طلوع وغروب، مہروماہ کی گردش، نجوم شب کی چمک دمک، سیاروں کی رفتار، موسموں کا تغیر وتبدل، گل وگلزار کی بہار، طائرانِ خوشنما کی پرواز، غرض ذرے ذرے کا کردار عمل سے وابستہ ہے۔

سامعینِ ذی حشم!

اس طرح جن قوموں نے سلامتی ولاپرواہی کا ارتکاب کیا، انہوں نے دنیا میں ذرہ برابر بھی مقام نہ پایا بلکہ ذلت وخواری ان کا مقدر ٹھہری۔

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

صدرذی وقار!

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

آج کے دور میں زندگی، جدوجہد بلکہ جنگ آزمائی ہے کہ ترقی یافتہ بلکہ زبردست سائنسی دور میں عمل کے بغیر دوقدم بھی آگے بڑھنا کار دشوار ہے، جو قومیں جمود کا شکار ہو جاتی ہیں، وہ نہ صرف اپنے آپ سے برسرِ پیکار رہتی ہیں بلکہ ہر جگہ ذلیل وخوار ہوتی ہیں۔ بقول شاعر

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

صاحبِ صدر!

فطرت افراد سے اغماض تو کرتی ہے مگر
کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو کبھی معاف

احباب گرامی منزلت!

ایک مصیبت زدہ آدمی اس وقت تک قعرِ مذلت میں گھرا رہتا ہے جب تک کہ وہ مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے فکروعمل اور عزم و

استقامت کا دامن نہیں تھامتا، بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایک بیمار آدمی بغیر دوا کے حصول کے تگ ودو کے شفایاب ہو جائے یا بھولا بھٹکا راہی راہِ ظلمت کی صعوبتوں کا سامنا کیے بغیر نشانِ منزل پالے۔

عام انسان تو ایک طرف عمل تو ہر نبی، ولی اور صاحبِ اسرارِ خفی وجلی کی اہم ترین خوبی کردار ہے، بلکہ دنیا کی تمام تحاریک اور انقلابات اسی قوتِ عمل کی مرہونِ منت ہیں، خود تاریخ اور تاریخ اسلام، مسلسل عمل کا منطقی انجام ہے۔ یہی نہیں، تحریک پاکستان بھی مسلمانانِ پاک وہند کے پیہم عمل اور اکابرینِ ملت کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔

تحریک پاکستان کے مرکزی کردار، بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی ساری زندگی عمل وکردار کا نمونہ تھی بلکہ آپ کا قدم قدم پر فرمان تھا:

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل پہ گامزن، وہی محبوبِ فطرت ہے

صدرِ عالی وحاضرین با تمکین!

علاوہ ازیں دنیا کے بڑے بڑے موجد، سائنسدان، مفکر، قانون دان اور دوسرے انسان عمل کی اہمیت سے واقف تھے بلکہ خود بھی زبردست عامل تھے کیونکہ محض علم کا حصول موجودہ کارنامہ نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال یعنی عمل ہی انسان کا طرۂ امتیاز ہے، یہی وجہ ہے کہ علمائے بے عمل کو ہمیشہ ناقدری بلکہ نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر عمل کے تباہی ہے"۔

صدرِ عالی وحاضرین گرامی!

گویا علم وعمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدس بیان ہے:

"وہ عمل جو بغیر علم کے ہو اسے بیمار جانو اور وہ علم جو بغیر عمل کے ہو اسے بیکار جانو"۔

بلکہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا خیال ہے:

"عمل کے بغیر جنت کی خواہش بھی گناہ ہے"۔

اس طرح عمل کا پیکر، نہایت قابلِ تکریم وعزت ہے، اس ضمن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے:

"عالم باعمل، نائب خدا ہے"۔

اربابِ دانش!

قرآن مجید فرقان حمید میں بھی ایسی آیات الٰہی کا ذخیرہ ملتا ہے جو عمل کے ذریعے جنت کے حصول کا درس دیتی ہیں۔

اچھے اعمال جنت الفردوس کی ضمانت ہیں تو برے افعال دوزخ کا سبب ہیں۔ علامہ اقبال درست فرماتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

آیئے سامعین محفل!

آج کی بزمِ ادب میں عہد کریں کہ آج کے ہنگامہ خیز دور میں محض علم و تحقیق ہی کے نعرے نہیں لگائیں گے، بلکہ عملی طور پر کچھ کر کے بھی دکھائیں گے۔

یہ گھڑی محشر ہے، اور تو عرصہ محشر ہے
پیش کر غافل: عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

کفایت شعاری

صدق و ایماں کی ہے پیکر سادگی
علم و دانش کی ہے مظہر سادگی
ہے کفایت سر تا پا عز و وقار
شادؔ! انساں کا ہے جوہر سادگی

صدر عالی مرتبت وحاضرین گرامی منزلت!

مجھے آج اس معزز محفل کے سامنے جس اہم سماجی موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے وہ ہے ''کفایت شعاری''۔

صدر ذی وقار!

کوئی مزدور ہو یا صنعت کار، کسان ہو یا زمیندار، افسر ہو یا اہلکار جسے دیکھو زندگی کی ہما ہمی اور ہوشربا گرانی کے ہاتھوں تنگ بلکہ آمادۂ جنگ نظر آتا ہے، لیکن جب ذاتی معاملات کو نپٹانا اور غمی خوشی کے لمحات میں گھریلو تقریبات کا اہتمام کرتا ہے تو سب کچھ بھول کر نمود ونمائش، تصنع و تکلف اور بے جا زیبائش کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جس سے کم حیثیت لوگ بھی تقلید پر مرتے یا حسد وبغض سے جلتے ہیں، جو کسی بھی لحاظ سے اہل پاکستان یا مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب آدمی جوش کے بعد ہوش کے ناخن لیتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ فضول خرچی اور اسراف سے قرضوں، احباب کی ندامت اور آئندہ زندگی کی کئی الجھنوں میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر سوائے پچھتانے کے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ البتہ وعظ ونصیحت کرنے والوں کی بات چیت اور عزیز دوستوں کی سادگی اور کفایت شعاری کی تلقین رہ رہ کر یاد آنے لگتی ہے، لیکن ''اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت'' کی تصویر بن جاتا ہے۔

ہم سہل طلب کون سے فرہاد تھے لیکن
اب شہر میں تیرے کوئی ہم سا بھی کہاں

صدر عالی وحاضرین گرامی!

وہی سادگی جو مادی واقتصادی وسائل سے بھی محفوظ رکھتی ہے اور ذہنی وروحانی سکون وراحت بھی عطا کرتی ہے، اور وہی کفایت شعاری جو افراط وتفریط کے چنگل سے نکال کر مستقبل بعید میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے کی ہمت وطاقت اور دولت وثروت فراہم کرتی ہے۔ ظاہر ہے

اپنے غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کرنے اور روزمرہ کے مصارف میں اعتدال اور میانہ روی اپنانے کا نام سادگی اور کفایت شعاری ہے۔ جو لوگ اپنی امارت کا رعب جمانے اور عظمت و رفعت کا ڈھونگ رچانے کے لئے فضول خرچی اور اسراف سے کام لیتے ہیں، وہ نہ صرف اپنے اور اپنی نسل کے قاتل ہیں بلکہ قوم و وطن کے لئے بھی زہر ہلاہل ہیں۔

حاضرین محفل!

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سادگی انبیاء و اولیاء اور مفکرین و علماء کا شیوہ رہی ہے۔ وہ عمدہ درجے کے منکسر المزاج، قانع و صابر، خوگر تسلیم، راضی و بہ رضا اور متوکل و شاکر رہے ہیں۔ نہ فضول خرچی کی اور نہ ہی تکبر و لالچ نے ان کو راہِ حق سے برگشتہ کیا نیز وقت کے حکمران بھی ہیں تو کپڑوں پر پیوند لگے ہیں۔ کبھی کوئی مراعات طلب نہیں کیں بلکہ قرآن پاک کی کتابت کر کے، ٹوپیاں سی کر یا تجارت کر کے حتیٰ کہ بعض اوقات مزدوری کر کے وقت پاس کیا۔

سامعین ذی حشم!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سادگی و کفایت شعاری کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ قدم قدم پر میانہ روی کا درس دیتے اور اس پر سختی سے عمل پیرا بھی رہتے، نہ خود تکلف، زیبائش، بناوٹ اور نمود و نمائش کو پسند کیا اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یا اہلِ خانہ کو زیب و آرائش کا موقع دیا۔

صداقتوں کی ایک سولی پہ اٹھ کے اکرم!
وفا کے ہر امتحاں میں ہم کامیاب اترے

صدر عالی صفات، مہمانِ ذیشان اور حاضرین فیض انتساب!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کی جانب سے قاسم رزق کے مرتبہ پر فائز تھے، حتیٰ کہ میدانِ محشر میں بھی ساقی کوثر کا اعزاز پائیں گے، لیکن گھر میں کئی کئی دن چولہا نہیں جلتا، خود نہ کھاتے البتہ سائل کو دے دیتے۔ گھر کے کام خود کر لیتے، جھاڑو دے لیتے، دودھ دوہ لیتے، جوتا سی لیتے، گدھے کی سواری کر لیتے، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ کھانا کھا لیتے، ان کو سودا لا دیتے، غریبوں کی عیادت کرتے اور کم حیثیت لوگوں سے ملنے میں عار محسوس نہ کرتے، حتیٰ کہ کبھی اپنی شناخت و شہرت کی پرواہ نہ کرتے۔ یہی نہیں سادہ بستر ہوتا یا بان کی چارپائی پر لیٹتے، کبھی کمبل استعمال نہ کرتے بلکہ معمولی کپڑا تہہ کر کے لپیٹ لیتے۔ سادہ ترین غذا کھاتے حتیٰ کہ دوسرا سالن بھی نہ بنواتے۔ گھریلو استعمال کے لئے صرف دو چادریں ہوتیں۔ ایک اپنے لئے اور دوسری اہل خانہ یا مہمانوں کو دے دیتے۔ یہی نہیں، فخر موجدات، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی پیاری بیٹی خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شادی کے جہیز میں چند چیزیں دیں بلکہ اس کے ہاتھ کے سونے کے ہار اور اپنی اہلیہ محترمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کنگن کو ناپسند کیا۔ اس طرح بقول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہنی ہوئی چادر ایک روپے سے زیادہ نہ تھی۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنے مکان کا تختہ بہت بلند بنوا لیا جس پر اس سے ناراض ہوئے اور جب اس نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق گرا دیا تو فرمایا:

''ضرورت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبال ہے''۔

بعینہ اپنے داماد اور چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پر پردے لٹکے ہوئے دیکھے تو واپس آ گئے اور فرمایا:

''ایک پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ زیب وزینت والے مکان میں داخل ہو''۔

صدرِ ذی وقار!

حضور پرُ نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سادگی وکفایت شعاری میں مسلمانانِ عالم حتیٰ کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے بہترین نمونہ عمل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث مبارکہ کے ذریعے بھی اس امر کی تبلیغ کی۔ مثلاً ''سادہ زندگی گزارنا ایمان ہے......اور کھا، پہن، پی اور صدقہ دے لیکن اس میں نہ تو فضول خرچی ہو اور نہ ہی تکبر''۔ نیز ''ریشمی کپڑا وہ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں''۔

صدرِ گرامی ومہمانانِ ذی وقار!

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوال وافعال، شمع اسلام کے ضو اور قرآن حکیم کا پرتو ہیں کہ سورہ الانعام میں ارشادِ خداوندی ہے:

''بے شک وہ نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو''۔

سورہ الاعراف میں درج ہے:

''اور کھاؤ اور پیو، اور اسراف نہ کرو۔ وہ بے جا اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اور سورہ بنی اسرائیل میں حکم ربِ جلیل ہے:

''بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے''۔

صدرِ ذی وقار!

اگر ہم قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں آج کے مسلمانوں کا جائزہ لیں تو ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ کہاں سادگی، کفایت شعاری اعتدال اور میانہ روی کے ارشادات ومشاہدات اور کہاں عیاشیاں اور بے جا تکلفات۔

ہمارے مکانات، ملبوسات، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا غرض سب کچھ خلافِ شرع ہے۔ جبھی تو اہل دین کو یہ انداز ناز یبا و ناگوار ہے، کھانے میں اعتدال نہیں کہ کئی کئی ڈشوں کے بغیر دسترخوان سجتا نہیں خواہ بسیار خوری سے صحت خراب ہو جائے، پینے میں نت نئے اور ٹھنڈے میٹھے مشروبات اور چائے وغیرہ کی رسومات اور پہننے میں بڑھیا قسم کے ریشمی ملبوسات مع زیورات ہماری فطری ڈیل ڈول اور نقل وحرکت میں رکاوٹ ہیں کہ یہ ہماری قدرتی نشوونما کے لئے سدِ راہ ہیں۔ جہاں تک رہائش کا تعلق ہے تو ایک نہیں، دو دو چار چار کوٹھیاں، بڑے بڑے بنگلے، بلند وبالا پلازے ہیں جبکہ قریبی بستیوں اور نشیبی علاقوں کے مکین اور ان کے معصوم بچے دو وقت کی روٹی اور ستر ڈھانپنے کو محتاج ہیں۔

وہ شہریار تھا اور سارا شہر تھا اس کا
کسی گلی میں مگر کوئی گھر نہ رکھتا تھا
بلندیوں پہ فضاؤں کی سیر کرتا تھا
کمال یہ ہے کہ وہ بال و پر نہ رکھتا تھا

کاش ہمیں معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اقدس از بر ہوتا:

''جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلت کا لباس پہنائے گا، اور جو شخص حاجت سے زیادہ مکان بنائے گا، قیامت کے دن اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس گھر کو اپنے سر پر اٹھالے''۔

صدر ثریا شہاب!

ہم ہزاروں لاکھوں روپے محض اس لئے خرچ کر دیتے ہیں کہ ہمیں امیر کبیر اور ارفع و اعلیٰ سمجھا جائے۔ معاشرے میں ہماری آؤ بھگت ہو، لوگ ہمارے استقبال اور جا بجا ذکر و فکر پر مجبور ہوں، گویا ہمارے سوا کوئی اور اہم نہیں ہے، اور یہی غرور و تکبر ہے جسے اسلام نے برا جانا ہے۔

ہماری انہی فضول خرچیوں بلکہ شاہ خرچیوں سے نہ صرف ہمارے بوڑھے والدین اور معصوم اولادیں بہتر خدمات اور سازگار حالات سے محروم ہیں بلکہ ملک وملت بھی خود کفالت کی دولت سے عاری، بھاری قرضوں میں پھنسا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔

اگر ہم نے سرکاری وغیر سرکاری محکموں اور دوسرے اداروں میں قبل از وقت ڈاؤن سائزنگ کی ہوتی، بجٹ مناسب ہوتے اور اہل کاروں اور وزیروں کو معقول معاوضے دیئے جاتے تو اربوں ڈالر کا قرضہ ہماری زندگی کے لئے کلنک کا ٹیکہ ثابت نہ ہوتا۔ آج بڑا سیاستدان اور مخلص سے مخلص عوامی رہنما کروڑوں روپے کا مقروض ہے۔ صرف اس لئے کہ اعتدال کا دامن چھوڑ دیا اور پھر احتساب کے کٹہرے میں آن کھڑا ہوا۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

نیز ایسے ایسے لوگ جو مدت المدید سے قومی قائدین اور سیاسی مفکرین حتیٰ کہ ملکی سطح کے علماء وواعظین ہیں، جب علاج معالجے کے لئے حکومتی خرچ پر بیرون ملک جاتے ہیں تو لاکھوں اڑاتے ہیں۔ اخبارات میں ایسی خبریں پڑھ کر یا ادھر ادھر سے سن کر ایک محب وطن کو شدید دھچکا لگتا ہے۔ کاش ان رہنماؤں کو بھی سادگی اور کفایت کی خبر ہوتی جو آئے دن قوم کو درس اعتدال دیتے اور حب الوطنی کے فسانے سناتے رہتے ہیں۔

سامعین ذوالقدر!

یہ بے پناہ رقم جو ہماری ٹیپ ٹاپ، ملکی وغیر ملکی دوروں، وفود کے تبادلوں، جلسوں جلوسوں یا افسروں اور وزیروں کے استقبالوں پر خرچ ہوتی ہے، کاش یہ سماجی خدمت کے کاموں، ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں، سکولوں اور کالجوں، گمشدہ بچوں کے مراکز، غریبوں یتیموں اور بیواؤں کے مسائل کے حل میں صرف ہوتی اور وطن عزیز کے کچھ دکھوں کا مداوا ہوتا۔

نہ جانے ہماری مصنوعی شان وشوکت کی زد میں کتنے خیراتی ادارے اور دیگر عوامی وقومی منصوبے آرہے ہیں اور کتنے نئے ہیں جو سنتے ہی دم توڑ رہے ہیں۔

بہتر ہے مہ و مہر پہ ڈالو نہ کمندیں
انساں کی خبر لو، کہ دم توڑ رہا ہے

صدر گرامی وحاضرین عالی!

ہمیں چاہیے کہ ہم ملکی ووطنی تقدس وحرمت اور عوامی فلاح وخدمت کے جذبہ کے پیش نظر اپنی بے جا تمناؤں اور آرزوؤں کا گلا گھونٹ دیں اور بحیثیت مسلمان شعائر اسلام کے مطابق صبر وقناعت اور اعتدال ومیانہ روی کو اپنائیں تاکہ ذہنی وروحانی سکون پاسکیں۔قومی خوشحالی کا راز بھی اسی میں ہے کہ ہر شخص خود احتسابی کرے اور وطن عزیز کی خود کفالت کے لئے کفایت شعاری اختیار کرے۔

صدر ذی وقار وبرادرانِ ملت!

جن قوموں نے اعتدال کا دامن چھوڑا، ترقی وخوشحالی اور عزت وناموری نے ان سے منہ موڑا کہ تعیش پسندی اور عیش کوشی کی عادتوں کو اپنانے والی قومیں ہمیشہ بزدل اور موت سے ڈر جانے والی ثابت ہوئیں۔خصوصاً محاذ جنگ پر انہوں نے بجائے جرأت ودلیری کے پیٹھ دکھائی کیونکہ سامانِ آرائش اور دیگر زیبائش نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی اور وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے سہولت پسندی اختیار کرتے ہوئے دم دبا کر بھاگ گئیں یا پھر ہتھیار ڈال کر محکوم وغلام بن گئیں۔برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے زوال کی وجہ یہی تھی کہ بادشاہوں اور شہزادوں نے عیش وعشرت کو اولیت دی اور نتیجتاً تباہی وبربادی مول لے لی، بلکہ

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

کے مصداق سارا ہندوستان انگریز کے قبضے میں ہوگیا۔

صاحبانِ بصیرت وآگاہی!

آج غریب آدمی جہیز کی پابندی کے باوجود جہیز کی لعنت سے محفوظ نہیں رہ سکتا کہ وہ اپنی بیٹی کو بیاہنے کا خواب ہی لئے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔شادی بیاہ پر ان گنت کھانوں کا اہتمام اور میرج ہالوں کا بھاری انتظام ممنوع ہے، لیکن اب لوگ سجاوٹوں پر پیسہ خرچ کررہے ہیں۔سادہ چائے کے نام سے وہاں مٹھائیوں کی دکانیں سجی ہیں اور پھر بل 200 روپے یا تین سو روپے سے کم نہیں۔آخر یہ ہماری ذہنی خباثت یعنی تعیش پسندی کب ختم ہوگی۔

شادی بیاہ تو الگ بات ہم صفِ ماتم پر بھی اسراف کا مظاہرہ کرتے ہیں، تجہیز وتکفین سے لے کر رسم سوئم اور چالیسواں تک دعوتوں کا اہتمام نہ جانے ہمیں کس سمت لے جارہا ہے؟

صدر ذی حشم اور ارباب دانش!

کاش ہمیں اپنے دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات اور معمولات یاد ہوتے اور سادگی و کفایت شعاری کو اپنا کر دین و دنیا میں سرخروئی پاتے، اس ضمن میں رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

''اے اللہ! مجھے مسکینوں والی زندگی اور مسکینوں والی وفات دے اور قیامت کے دن میرا حشر مسکینوں کے ساتھ کرنا''۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین تھا کہ

''میرا رشتہ ناطہ تو اس دنیا سے ایسا ہے جیسے کوئی مسافر، کچھ دیر درخت کے زیر سایہ ٹھہر جائے اور پھر منزل کی طرف روانہ ہو''۔

سامعین باتمکین!

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سادگی و کفایت شعاری کے بے پناہ معاشرتی و اخلاقی فوائد و ثمرات ہیں، وہاں اس سے مساوات و برابری کا درس بھی ملتا ہے کہ پولیس، فوج اور تعلیمی اداروں کی یکساں وردیاں اس امر کا پیش خیمہ ہیں۔ اس سے کم حیثیت لوگوں کا احساس کمتری ختم ہوتا ہے اور تکلف و تصنع کا بوجھ گھٹنے لگتا ہے۔ محتاجی اور قرضے سے نجات مل جاتی ہے کہ عمر بھر کا پچھتاوا ہاتھ نہیں آتا۔ نیز غیر ملکی مصنوعات کی خریداری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور گرانی کم ہو جاتی ہے، جبکہ اس جذبہ حب الوطنی سے خود انحصاری کی راہ ہموار ہوتی ہے اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کی عادت پڑتی ہے جو کہ ایک اچھے مسلمان کا شیوہ ہے، ورنہ قرآن پاک کی رو سے فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

خدا کرے ہم شیاطین کے گروہ میں شامل نہ رہیں اور کفایت کی راہوں پر گامزن ہو کر پکے سچے مسلمان بن جائیں۔ (آمین)

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے ہے وہ جو تکلف نہیں کرتا

❁

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

صدر والا قدار و حاضرین ذی شعور!

شاعر مشرق حکیم الامت، دانائے راز حضرت علامہ اقبال کا مشہور زمانہ شعر

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس کا دوسرا مصرعہ، آج کی اس بزم علم و دانش میں میرا موضوع سخن ہے۔ امید ہے کہ میری معروضات کو سماعت فرما کر مجھے شکریہ کا موقع دیا جائے گا۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

صدر ذیشان!

شاعر ملت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ کافر تو شمشیر وسناں اور جنگی ساز وسامان پر بھروسہ کرتا ہے لیکن ایک پکا سچا مسلمان محض اپنی ایمانی طاقت کے بل بوتے پر جنگ آزما ہوتا ہے کہ مرد مومن کی جنگ وجدل میں کامیابی وسرخروئی کا سبب اسلحہ نہیں جذبہ ہے، جنگی سامان نہیں حرارت ایمان ہے، مادی اسباب نہیں اس کے جذبہ یقیں کا طوفان ہے۔ اقبال کے نطق معجز کے بیان کے مطابق

یقینِ محکم، عملِ پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

احبابِ گرامی منزلت!

بابائے قوم بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی برصغیر کے مغلوب مسلمانوں کو جو تین سنہری حروف دیئے اور جن کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے انہوں نے آزادی کی زبردست جنگ جیتی، ان میں سرفہرست یقین وایمان ہی تھا جبکہ دوسرے نمبر پر اعتماد اور تیسرے درجہ پر تنظیم کو مقام حاصل ہے گویا ایک مسلمان کا اپنے آپ پر بھروسہ اور خدا پر یقین کامل ہی وہ روحانی طاقت اور لافانی قوت ہے جو اسے کسی بھی محاذ پر متزلزل نہیں ہونے دیتا اور وہ پائے استقلال آگے ہی آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ کامیابی اس کے قدم چومنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

جہاں ہم خشت خم رکھ دیں بنائے کعبہ پڑتی ہے
جہاں ساغر پٹک دیں، چشمہ زم زم ابلتا ہے

برادرانِ ملت!

یہ اعزاز صرف مسلمان کو اس وقت مرحمت ہوتا ہے جب اسے مکمل یقین ہوتا ہے کہ اس کا خالق و پروردگار اور حامی و مددگار اس کا خدا ہے۔ وہی اس کو ہر قسم کی مشکل سے نجات دلا سکتا ہے اور وہی اس کے دشمنوں کو آن کی آن میں مٹا سکتا ہے۔

دوستانِ عزیز!

آیئے ذرا تاریخ کے آئینے میں جھانکتے ہیں کہ یہ ایمانی طاقت، بے سروسامانی میں سہارا اور مقدر کا ستارہ بن جاتی ہے۔ دوپہر کا وقت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے سائے تلے محو استراحت ہیں، ایک کافر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار ایک شاخ سے لٹک رہی ہے تو اسے جلدی سے اٹھا لیتا ہے اور بیدار کر کے کہتا ہے:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تجھے کون بچا سکتا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی خوف و جھجک کے فرماتے ہیں:

''میرا اللہ۔''

اس جواب کے ساتھ ہی تلوار کافر کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑتی ہے، اور اب جبکہ وہی تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں ہے تو وہ تھر تھر کانپ رہا ہے۔ آخر کافر ہے کہ خدا پر مدد کا یقین نہیں ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

''اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے''۔

اربابِ محفل!

اللہ رب العزت مزید فرماتا ہے:

''اور غور سے دیکھو، جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا!''

صدرِ ذیشان!

دنیا جانتی ہے پہچانتی ہے اور مانتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنی ایمانی طاقت، روحانی قوت اور رحمانی نصرت کے سہارے اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمنوں اور ستم پرور کافروں پر چھا گئے، نہ ان کے سامنے غنیم کے بڑے بڑے جفاکش ہاتھی، گینڈے اور گھوڑے ٹھہر سکے اور نہ ہی کبھی توپ، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں قدم جما سکیں۔ اہل ایمان کا نعرہ تکبیر و رسالت، کسی بھی میزائل شکن توپ ٹینک سے کم نہیں تھا کہ جب وہ رزمِ حق و باطل میں سینہ تان کر کھڑے ہوگئے تو نصرت ایزدی اس طرح پہنچی کہ آسمانوں سے ابابیلوں نے کنکر مار مار کر حریفوں کے ہاتھیوں کے چھکے چھڑا دیے۔

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے، قطار اندر قطار اب بھی

صدرِ ذی وقار و برادرانِ ملت!

صرف جنگ بدر کے 313 مسلمان مجاہدین ہی تاریخ اسلام میں ہزاروں کفار کے مقابل ڈٹ جانے کا سنہری باب نہیں بلکہ جنگ احد، جنگ خندق، جنگ خیبر، جنگ حنین اور دیگر ان گنت معرکے بھی زریں اوراق پر پھیلے، مردانِ حق کے ایمانی جذبوں اور ایقان کے ترجمان اور دشمنانِ دین کی بے بسی و ناکامی کے آئینہ دار ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جو میرا بندہ ہے، میں اس کا مددگار رہوں، جو میرے دین کی سربلندی کا علمبردار ہے، میں اس کا غمگسار رہوں اور جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتوں کا طلب گار ہے میں اس کا پاسدار رہوں، گویا

جو دین متیں پہ نثار ہو گیا
تو شاد اس پہ پروردگار ہو گیا
چلا جو خدا کے بھروسے پہ شاد
یقیناً سفینہ وہ پار ہو گیا

احبابِ فکر و دانش!

تاریخ کا یہ عمل اس طرح جاری و ساری ہے، اور دنیا میں مسلمان بے تیغ سپاہی ہونے کے باوجود جذبہ ایمان و یقین کی دولت، ہر میدان کارزار میں کامیاب و کامران ہیں نہ کہ اسلحہ و شمشیر و سنان کے سہارے فتح و نصرت کے ترجمان ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا، بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا و کارساز

صدرِ فیض درجت!

جنگ ستمبر 1965ء میں وطن عزیز سے پانچ گنا بڑی فوجی قوت ہندوستان کو ایسے ناکوں چنے چبوائے کہ وہ سلامتی کونسل سے امن وصلح کی

بھیک مانگنے پر مجبور ہوگیا۔ پاکستانی مجاہدوں نے سینوں پر بم باندھ کر جہاں دشمن کے ٹینکوں کے ٹینک اڑا دیئے وہاں اس کے بڑے بڑے بم بھی ہماری سرزمین پر آ کر کھلونا بن گئے کہ بچے، بوڑھے، جوان انہیں اس طرح ٹھوکریں مارتے جیسے فٹبال کھیل رہے ہوں اور بمبار طیاروں کا اپنے مکانوں کی چھتوں پر انہماک اور جوش وخروش سے مظاہرہ کرتے، گویا بسنت کا میلہ ہو اور جہاز نہیں پیچے لڑا رہے ہوں۔

زینت بخش کرسی صدارت!

توجہ فرمایئے تو دیکھئے کہ چیچنیا کے مسلمان کس طرح نہتے ہونے کے باوجود روسی استعمار سے اپنی آزادی کے لئے نبرد آزما ہے، اور دین اسلام کی شمع روشن کئے ہوئے، ایسے ہی کشمیر جنت نظیر کے جیالے مجاہدین، اسلحہ سے محروم ہیں مگر جس طرح وہ بھارتی درندوں کے ظلم وستم کے آگے سینہ تانے ہوئے ہیں، دنیا کی کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی، نیز فلسطین کے ننھے منے بچے اور مدارس کے نوجوان ادھر کنکر تھامے اسرائیلی سنگینوں اور گولہ بارود سے بھری گاڑیوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنے گویا زبانِ حال کہہ رہے ہیں۔

ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

صاحبانِ بصیرت وآگہی!

اہل ایمان کا جذبہ عشق ہی اس کی حربی حکمت ہے، اور یہی اسلحہ اس کی فتح ونصرت کی ضمانت ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ غیر مسلم غاصبوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گیا تو شہید ہے، اور اگر زندہ سلامت رہا تو غازی ہے، گویا جہاد اس کا طرۂ امتیاز اور جرأت وبہادری اور تائید ایزدی کا راز ہے۔ اس کے برعکس کافر صرف توپ، ٹینک اور جنگی ساز وسامان کا پرستار ہے جو جذبہ عشق، حب الوطنی اور غیرت دینی کے بغیر سراسر بیکار اور سراپا بار ہے، آخر اللہ کا وعدہ سچا ہے کہ:

''اور ہرگز نہیں دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ''۔

بلکہ خدا کی تو یہاں تک وعید ہے کہ:

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو اس کے لئے آگ ہے دوزخ کی، سدا رہے گا وہ اس میں''۔

لہٰذا آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اپنے دلوں میں خدا پر غیر متزلزل ایمان پیدا کریں اور اپنی قوت بازو اور پائے استقلال کے سہارے آگے بڑھیں نہ کہ غیروں کی امداد کے منتظر رہ کر اپنی حیثیت کھودیں اور کامیابی سے ہاتھ دھولیں۔

صدرِ ذیشان!

وقت کا تقاضا ہے کہ عالم اسلام کے بے بسی اور ندامت کے داغ مٹانے کے لئے ہر ہر مسلمان ایمان ویقین، خودی وعشق اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لافانی قوتوں کو بیدار کرے اور کلمہ توحید کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی ایسی اونچی اور مضبوط عمارت کھڑی کردے کہ رقیب

اروسیاہ کو اس کی طرف نظرِ بد اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہو۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

سائنس انسان کی محسن

صدر عالی مرتبت وحاضرین گرامی منزلت!

میری آج کی تقریر کا موضوع ہے، "سائنس انسان کی محسن ہے"۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ دور سائنس کا دور ہے، سائنس کیا ہے؟

دوستانِ عزیز!

دنیا کی تخلیق قدرت کا محیر العقول کرشمہ ہے اور خلق خدا کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے سائنسدانوں نے علم سائنس کے ذریعے جو مختلف ایجادات کی ہیں، وہ سائنس کے حیرت انگیز کرشمے ہیں، جس نے بنی نوع انسان پر بہت عظیم احسان کیے ہیں۔

صدر فیض درجت!

جب ہم اپنے اردگرد نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں ہر قدم پر سائنس کی وہ کرشمہ سازیاں نظر آتی ہیں جن سے حیاتِ انسانی میں نہ صرف جدت پیدا ہوئی بلکہ انسانی حیات کو اس نے کمال اوج پر پہنچا دیا۔ اس کاغذ اور قلم سے لے کر گرجتے ہوئے طیاروں اور برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی ریل گاڑیوں، ٹیلی ویژن، وائرلیس، ریڈیو اور نہ جانے کیا کچھ سائنس کی بدولت معرض وجود میں آچکا ہے۔ یہ ہم پر سائنس ہی کا احسان ہے کہ اس کی بدولت ہر طرف کمپیوٹر کا دور دورہ ہے اور تو اور انسان نے اپنا نعم البدل "روبوٹ" بھی تیار کر لیا ہے جو ہے تو ایک مشین لیکن بالکل انسانوں کی طرح کام کرتی ہے، یہ سب سائنس کی کرشمہ سازیاں ہیں جو بنی نوع انسان پر اثر انداز ہوئیں۔

جناب صدر وحاضرین والا قدر!

آج کی سائنس بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ابھی سائنس کی ترقی رکی نہیں ہے۔ نت نئی ایجادات پلک جھپکنے میں معرضِ وجود میں آرہی ہیں۔ اگر سائنس کی ترقی اسی رفتار سے جاری رہی تو ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ موجودہ دنیا یکسر بدل جائے گی۔ ہماری آنے والی نسلیں آج کے ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر کو قدیم دور کی سادہ ایجادات کے نام سے یاد کریں گی۔

سامعین ذی حشم!

کیا کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ سائنس نے ہماری روزمرہ زندگی پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔

ذرا غور کریں!

سائنس نے نہ صرف ہمارے ماحول کو تبدیل کر دیا ہے بلکہ ہمارے اس طرزِ فکر کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، زمانہ قدیم میں انسان جن چیزوں کی پرستش کرتا تھا، آج سائنس کی ترقی کی بدولت ان کو مسخر کرنے پر تلا ہوا ہے، انسان چاند پر قدم رکھ چکا ہے اور اب تو نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت سے بے شمار کام لینے کے لئے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ سائنسی قوت نے خاک کے اس پتلے کو اگر ایک طرف بحر و بر کا فرمانبردار بنا دیا ہے تو دوسری طرف اسے فضاؤں پر حکومت کرنا بھی سکھلا دیا ہے۔

جناب صدر و حاضرین والا قدر!

سائنس نے کسی ایک شعبے میں ترقی نہیں کی ہے، بلکہ سائنس کی بے شمار شاخیں ہیں اور میں مختصر طور پر ان کا ذکر کرنا پسند کروں گا۔

سائنس کی ایک اہم شاخ ہے طب، طبی دنیا میں انسان کی فتوحات اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ آج اس کے ذریعے اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان اور مایوس بیماروں کو شفا مل رہی ہے۔ علاج کے نئے نئے طریقے دریافت کیے جا رہے ہیں۔ آپریشن ایک معجزہ بن گیا ہے۔ انسان نے سائنس کے ذریعے اپنی اوسط عمر میں اضافہ کر لیا ہے مغربی دنیا کے سائنسدان تو روح تک کا سربستہ راز معلوم کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

صدر عالی و حاضرین گرامی!

سائنس اس قدر وسیع موضوع ہے کہ اس کے بولنے کے لئے گھنٹوں نہیں بلکہ کئی دنوں کی ضرورت ہے۔ میں اس وقت صرف ان باتوں کا ذکر کروں گا، جو اس وقت میرے ذہن میں موجود ہیں۔

حاضرین باتمکین!

آپ جانتے ہیں کہ سائنس کی ایک بہت بڑی دریافت بجلی ہے، جس نے انسانی طرزِ معاشرت کی کایا پلٹ دی ہے۔ بجلی کی دریافت انسان کے لئے آرام و راحت اور عیش و نشاط کا پیغام ہے۔ یہی نہیں بجلی کی بدولت فیکس اور الیکٹرانک ٹیلی فون جیسی سہولیات بھی میسر آ چکی ہیں۔ دنیا کے دور دراز ممالک امریکہ اور آسٹریلیا ہیں، اب ہمارے کانوں سے ایسے قریب ہیں جیسے میز کے دوسرے کنارے پر بیٹھا ہوا کوئی دوست باتیں کر رہا ہو۔

صدر عالی مرتبت!

سائنس نے ہمارے لئے صرف جسمانی عیش و آرام اور مادی منفعت ہی کا سامان نہیں کیا، بلکہ ہماری ذہنی غذا کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ سائنس کی بدولت علم ارزاں ہو گیا، چھاپہ خانہ کی ایجاد سے معمولی درجہ کا آدمی بھی کتاب خریدنے کے قابل ہو گیا ہے۔ ریڈیو سے گھر بیٹھے دنیا بھر کے عالموں کی علمی تقاریر سن کر ہم اپنی علمی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

صدر والا تبار و حاضرین کرام!

آپ تو جانتے ہی ہیں کہ قدیم دور میں انسان کس قدر کمزور ہوتا تھا، اسے درندوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے لکڑی اور پتھر کے ہتھیار بنانا پڑتے تھے، لیکن آج سائنس نے انسان کو غیر معمولی طور پر طاقتور بنا دیا ہے۔ اب وہ میدانِ جنگ میں نئے ہتھیاروں سے لیس ہو کر جاتا ہے۔ اب انسان کی فطری شجاعت کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ بندوق اور توپ کے ہتھیار اب قصہ پارینہ ہو چکے ہیں۔ اب راکٹوں، میزائلوں اور ایٹمی

ہتھیاروں نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ سائنس نے جدید ہتھیار اور خوفناک ترین بم دشمن کی طاقت کو تباہ و برباد کرنے کے لئے تیار کیے ہیں اور ساتھ ہی ان ہتھیاروں سے بچنے کے لئے حفاظتی اشیاء بھی وجود میں لائی گئی ہیں۔ یہ سب سائنس کی ایسی محیر العقول دریافتیں ہیں کہ شاید قدیم دور کا انسان آج کی دنیا میں آئے تو ان سب کو جادو ٹونہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے۔

صدر گرامی منزلت!

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ سائنس ایک وسیع موضوع ہے، اور اس کا احاطہ چند منٹوں میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ کون سی ایسی سائنسی ایجاد ہے، جس نے بنی نوع انسان پر احسان نہیں کیا۔ سائنس بلاشبہ انسان کی محسن عظیم ہے۔ اس نے اس کی زندگی کو یکسر بدل ڈالا ہے، چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ایجاد انسان کو نہ صرف فائدہ دے رہی ہے بلکہ اسے مشکلات سے نکال کر سہل پسندی کی طرف مائل کر رہا ہے۔

اربابِ دانش!

انسان جو کبھی پتھر کے زمانے میں رہتا ہے، یہ سائنس ہی ہے جس نے اس کے قدم چاند تک پہنچا دیے، کیا انسان کبھی سوچ سکتا تھا کہ وہ چاند تک جا پہنچے گا، اس نے سمندروں کو تسخیر کر لیا ہے اور اس کے سینے پر بھاری بھر کم بحری جہاز دوڑا دیے ہیں، دور دراز کی خبریں پل بھر میں اس کی دسترس میں آ جاتی ہیں۔

آج کی سائنس نے بہت سے پرانے عقائد کو بالکل وہم ثابت کر دیا ہے، جن کو جہالت کی بناء پر انسان قدیم زمانے سے تسلیم کیے ہوئے تھا۔ سائنس کے ذریعے انسان کو توہم پرستی سے نجات مل گئی ہے۔ اب وہ ذہنی طور پر آزاد ہو چکا ہے، ہزاروں میلوں کا فاصلہ جو کبھی طے کرنے کے لئے مہینوں لگ جاتے تھے اب وہ فاصلے چند گھنٹوں پر محیط ہو کر رہ گئے ہیں۔

اگر سائنس معرض وجود میں نہ آتی تو انسان آج بھی پتھروں کے زمانے میں ہی رہ رہا ہوتا، زندگی کی یہ آسائشیں اسے میسر نہ ہوتیں، وہ آج بھی قدیم زمانے کے انسانوں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہوتا، دنوں کے فاصلے گھنٹوں میں طے نہ ہوتے دور دراز کے ممالک کی خبریں آج بھی اسے اتنی دیر سے ملتیں کہ وہ خبریں خبریں نہ رہتیں۔

سائنس نے ہم پر جو احسانات کیے ہیں۔ ہم اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ انشاء اللہ آنے والا دور اور سائنس کے زیر بار ہوگا۔ ہمیں یہ برملا کہنا پڑے گا کہ انسان کی ترقی کا انحصار سائنس پر ہے۔ یہ سب سائنس ہی کی برکتیں ہیں کہ آج ہم آرام وسکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا آج کوئی ایسی سہولت ہے، جو سائنس کی بدولت ہمیں حاصل نہ ہوئی ہو! میرا خیال ہے نہیں۔

❁

پابندیٔ وقت

صدر عالی پروقار و سامعین ذی حشم!

آج کے دور میں پابندیٔ وقت ہی انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ وقت کی پابندی کا مطلب ہے کہ ہر کام کو مقررہ وقت پر سرانجام دیا جائے، جو لوگ وقت کی قدر و قیمت جانتے ہیں، وہ اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں جانے دیتے۔ گزرتے ہوئے وقت کا افسوس کرنا، اور جو فارغ وقت میسر ہو اس سے فائدہ حاصل نہ کرنا پرلے درجے کی نادانی ہے۔ جو لوگ وقت کی پابندی کرتے ہیں، وہ دنیا میں کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

برادران ملت!

وقت ایک بیش بہا دولت ہے، وقت ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ دنیا کا کل مال و زر محنت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علاج معالجہ اور عمدہ خوراک سے کھوئی ہوئی صحت دوبارہ مل سکتی ہے، کاروبار میں نقصان اٹھانا پڑ جائے تو اس کی تلافی بھی ممکن ہو سکتی ہے، لیکن جو وقت ایک بار گزر گیا، وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر اور منہ سے نکلی ہوئی بات کی طرح کسی قیمت پر واپس نہیں لایا جاسکتا۔ ایک مثل مشہور ہے۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ہے

ارباب فکر و دانش!

وقت کی پابندی ایک سنہری اصول کی حیثیت رکھتی ہے، اس اصول پر کاربند رہنے والے لوگ زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو پورا کائنات کا تمام نظام ہی وقت کی پابندی کا درس دیتا ہے۔ دن اور رات اپنے وقت پر آتے جاتے ہیں، موسم اپنے مقررہ وقت پر تبدیل ہوتے ہیں، سورج اپنے مقررہ وقت پر طلوع اور غروب ہوتا ہے، فطرت کے ان عناصر میں کبھی کوئی بے قاعدگی دیکھنے میں نہیں آئی۔

صدر ذیشان و ارباب فیض ترجمان!

ہمارے مذہب نے بھی ہمیں وقت کی پابندی کا احساس دلایا ہے اور مسلمان کو پانچ وقت کی نماز، ماہِ رمضان میں روزہ کی سحری اور افطاری، نیز حج وغیرہ تمام دینی فرائض وقت کی پابندی کا پیغام دیتے ہیں۔ کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے وقت کی پابندی نہایت اہم اور ضروری ہے۔ دراصل یہ ترقی کا زینہ اور کامیابی کا ایک سنہری گر ہے، وہی ملازم اپنے مالک کو خوش کر سکتا ہے جو وقت مقررہ پر کام کرے، جو ملازم وقت مقررہ پر دفتر حاضر نہیں ہوتا وہ ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مسافر گاڑی کے وقت مقررہ کا خیال نہ رکھے تو وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

عالی صفات حاضرین!

وقت دریا کا بہاؤ ہے کہ گزرا اور گزرتا ہی چلا گیا، اسے واپس جانے کا راستہ ہی بھول جاتا ہے۔ وقت نہ کبھی واپس آیا نہ آئے گا۔ ہر شخص کو اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے وقت کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ جو وقت کا ساتھ نہیں دیتا، اسے کامیابی نہیں مل سکتی اور اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے:

"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

یعنی جب پانی سر سے گزر گیا تو پچھتانے کا کیا فائدہ۔ ہمارے کام وقت کے محتاج ہیں، اگر ہم وقت پر کام نہ کریں تو یقیناً ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

صدر گرامی مرتبت!

قدرت نے ہمیں وقت کی پابندی کے واضح اشارے دیئے ہیں جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر نے سورج، چاند، ستاروں اور موسموں کو وقت کا پابند کیا ہے۔ سورج اپنے مقررہ وقت پر صبح ہی صبح نکلتا اور دنیا کو منور کرتا ہوا اپنے سفر پر رواں دواں رہتا ہے۔ اسی طرح چاند بھی وقت پر اپنا جلوہ دکھاتا ہے اور پھر وقت کے حساب سے بڑھتا بڑھتا آخر کار ایک جگمگاتا ہوا ماہ کامل بن جاتا ہے۔ یہ سب قدرت کی طرف سے ہمارے لئے اشارے ہیں کہ وقت کی پابندی کس قدر ضروری ہے، اور یہ کہ وقت کی پابندی کی بناء پر انسان کس قدر ترقی اور عروج حاصل کر سکتا ہے۔

صدر گرامی منزلت و حاضرین محفل!

وقت کی پابندی کس قدر ضروری ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر قدرت وقت پر اپنے تمام امور سرانجام نہ دے تو پوری کائنات کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے، موسم وقت پر نہ آئیں تو باغوں کے پھل کیسے پک سکیں گے اور کھیتوں میں اناج کیسے پیدا ہو سکے گا، سبزیاں کیسے اگیں گی۔ دریاؤں میں پانی کہاں سے اٹھے گا۔

قابل تعظیم اربابِ عقل سلیم!

ذرا غور کریں وقت کس قدر اہم چیز ہے۔ سردی کے موسم کی فصلیں سردی کی محتاج ہیں اور گرمی کے موسم کی فصلیں گرمی کی حاجت مند ہیں۔ رات اور دن بھی وقت کی پابندی کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔

صدر عالی قدر!

میں سمجھتا ہوں کہ وقت کی پابندی کے بغیر روزمرہ کی زندگی کا کوئی کام بھی ٹھیک طرح سے انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اگر ہم کہیں سفر پر جانا چاہتے ہیں تو بھی وقت کی پابندی لازمی ہے۔ ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اپنے وقت پر روانہ ہوتے ہیں۔ مقررہ وقت سے چند سیکنڈ کی دیر ہو جائے تو ہم اپنی منزل تک نہ پہنچ سکیں گے۔ اسی طرح سے ہم نے صبح کی نماز طلوع آفتاب سے پہلے ادا کرنا ہوتی ہے اگر سورج نکل آیا تو صبح کی نماز کا وقت گزر گیا، اسی طرح سے باقی نمازیں بھی وقت پر ادا کرنا لازم ہے۔

میرے عزیز ساتھیو!

آپ دین و دنیا کا کوئی کام دیکھ لیں۔ اس میں وقت کی پابندی لازمی ہے، اسکول وقت پر جانا ہوتا ہے۔ اگر ذرا سی بھی دیر ہو جائے تو یقینی طور پر استاد کی جھڑکیاں سننی پڑتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اس وقت میرے جو ساتھی تقریر سن رہے ہیں، ان میں سے کچھ وقت کی پابندی نہ کرنے کی بناء پر اپنے استاد سے پٹ بھی چکے ہوں۔ لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ وقت کی پابندی نہ کرنا ذلت کا باعث بھی بنتا ہے، اور وقت کی پابندی عزت و توقیر میں اضافہ کا باعث ہے۔

حاضرین با تمکین!

وقت کی پابندی زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے۔ دنیا کا کوئی شخص خواہ کسی بھی پیشے سے تعلق رکھتا ہو، جب تک وقت کا پابند نہیں ہوا کامیابی اس سے دور رہے گی۔ کسان کو دیکھ لیں اگر وہ صحیح وقت پر فصل کے لئے زمین تیار نہیں کرتا اور وقت پر زمین میں بیج نہیں ڈالتا تو وہ اپنی زرخیز کھیتی سے ایک دانہ گندم کا بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ مزدور اگر اپنے وقت مقررہ پر کام پر نہ جائیں، تاجر، دکاندار اگر وقت کی پابندی نہ کریں تو ان کی معاش کا دروازہ بند ہو جائے۔

صدرِ ذی وقار!

ہم طالب علم ہیں اور میرے خیال میں ایک طالب علم کے لئے وقت کی پابندی جس قدر ضروری ہے شاید کسی اور کے لئے اتنی ضروری نہیں ہے جو طالب علم اپنے مقررہ وقت پر صبح سویرے اٹھتا ہے، وقت پر سکول جاتا ہے، سکول کا کام با قاعدگی سے کرتا ہے اس کے کھانے، سونے اور کھیلنے کے اوقات مقرر ہیں۔ وہ جسمانی طور پر صحت مند رہتا ہے اور تعلیمی میدان میں بھی دوسروں سے آگے نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو طالب علم وقت کی پابندی سے آزاد رہتے ہیں، وہ دنیا میں بالکل ترقی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا دنیاوی و اخروی زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ہم سب وقت کی پابندی کریں۔

اگر ہم وقت کی پابندی کریں گے تو یقیناً اپنے ملک و قوم کا نام دنیا میں روشن کر دیں گے،

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

ماں کی آغوش

سیرتِ فرزند ہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات

صدرِ عالی صفات، مہمانِ ذیشان اور حاضرین فیض انتساب!

آج کے بچے قوم کا مستقبل، آج کے بچے قوم کا عروج و اقبال، آج کے بچے قوم کی قسمت کے ستارے، آج کے بچے چمنستان زندگی کے مہکتے پھول، چہکتے بلبل اور کھیلتے نونہال ہیں، جن کے ساتھ ہماری امنگیں، آرزوئیں اور قسمتیں وابستہ ہیں۔ یہ اگر اچھے ہیں تو قوم کا مستقبل تابناک، یہ اگر برے ہیں تو قوم کا مستقبل تیرہ و تار، غرض کارگاہِ حیات میں ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو یہی بچے ہیں، انہی سے اپنی قسمت کا اندازہ لگا لیجئے اور انہی کو سامنے رکھ کر اپنے مستقبل کی تعمیر کا تخمینہ کیجئے۔

صدرِ ذیشان!

خلوت گہِ عدم سے جلوت گہِ وجود میں آتے ہی بچے کو سب سے پہلے جس ہستی سے سابقہ پیش آتا ہے، وہ اس کی ماں ہوتی ہے، گویا اس کا پہلا مدرسہ ماں کی شفقت بھری گود، محبت بھری آغوش ہے، جہاں اس کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوتا ہے۔

احبابِ گرامی منزلت!

ماہرینِ تعلیم کی یہ متفقہ رائے ہے کہ بچہ پہلے دن سے ہی علم و عرفان کے پھول چننا شروع کر دیتا ہے، لہٰذا اس کی پہلے دن سے ہی نگرانی کرنی چاہئے تاکہ غلط روی کے کانٹوں سے وہ اپنے دل و دماغ کو زخمی نہ کر بیٹھے۔ اس کی تربیت کے لئے گھر کے ماحول کو پہاڑی چشموں کی طرح صاف اور شفاف بنانا چاہئے تاکہ یہ نو واردِ اقلیم ہستی اس کا عکس اپنے اندر جذب کرتا چلا جائے۔ ماحول جس قدر پاکیزہ ہوگا، اسی قدر اس کے پھل میٹھے اور شیریں ہوں گے اور جس قدر اس سے لاپروائی برتی جائے گی اس قدر تلخیاں ہمارے حصے میں آئیں گی۔ دشنام طرازی کی سموم ہواؤں سے بچے کے گلشنِ حیات کو بچانا اور اعلیٰ اخلاق کے جھولے میں پیار کی لوریاں دینا ماں کا معمول ہونا چاہئے۔ (عہدِ طفلی کا گہوارہ جس میں جھولا جھولنے کی عمر زیادہ سے زیادہ پانچ سال ہوتی ہے) ماں کو اس طرح گزارنا چاہئے کہ بچے کی اخلاقی اور جسمانی صحت دونوں قابلِ رشک ہو جائیں۔

صدرِ فیض درجت و اربابِ دانش و حکمت!

بچہ جب چلنا سیکھ جائے تو اس وقت ماں کو دوہری ذمہ داری نبھانا ہوگی، اسے گلی محلے کی صفائی بھی کرنی چاہئے اور گھر کی بھی۔ ہمارے گلی

محلوں میں بداخلاقی اور گالم گلوچ کے جراثیم اس کثرت سے بکھرے پڑے ہیں کہ کسی صحت مند جسم کا سلامت رہنا محال نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ اس سلسلے میں انہیں گلی محلے والوں سے مل کر ایسی کمیٹیاں تشکیل دینی چاہئیں جن کا پروگرام برائی کا استحصال اور نیکی کی آبیاری ہو، یہ کمیٹیاں گلی محلوں سے گزرتی اور اخلاق کے پھولوں کی بارشیں کرتی ہوئیں سارے ملک میں پھیل جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کر دیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

''میں تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں''۔

احباب گرامی منزلت!

یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن چاند ستاروں کی معصومیت سے زیادہ پاکیزہ ہے کہ قوموں کی قسمت ماؤں کی آغوش میں پرورش پاتی ہے جس سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جانباز اٹھتے ہیں جو پھانسی کے جھولے کو آغوشِ مادر تصور کرتے ہوئے یہ سرمدی نغمات فضاؤں میں بکھیر جاتے ہیں۔ اب بھی ممبر سے نہ اترا یہ خطیب اب بھی گھوڑے سے نہ اترا۔

یہیں سے طارق بن زیاد جیسے آفاقی نظریے کے علمبردار اٹھتے ہیں جو ساحل اندلس پر

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست

کا ترانہ گا کر تاریخ عزیمت کو وجد میں لے آتے ہیں۔ یہیں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فرزندانِ ارجمند ابھرتے ہیں، جو تاریخ اسلام کو اپنے نقش دوام سے رنگین کر کے ملت بیضا کو یہ ابدی پیغام دے جاتے ہیں۔

چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

صدر ذی احتشام وحاضرین عالی مقام!

تاریخ اسلام ان آبدار موتیوں سے بھری پڑی ہے، جو ماؤں کی قدسی اساس گود سے پل کر اپنی چمک دمک سے تاریکیوں کے بادلوں کو آنِ واحد میں اڑا دیتے ہیں اور جن کی ضیاء باریوں سے تاریخ کی آنکھیں اب بھی روشنی کا ضیاء بنی ہوئی ہیں۔

صدر ذی وقار!

لیکن یہ ان ماؤں کی بات ہے جو اسوۂ بتولؓ کی حامل تھیں، جن کا اوڑھنا بچھونا قرآنی تعلیمات اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت تھا، جن کی آہِ نیم شبی عرشِ بریں کو ہلا دیتی تھی، جن کی دعائیں رب العالمین کی رحمت درِ اجابت پر دستک دیتی تھیں، جن کی تعلیمات روشن ستاروں کو افق پر جلوہ گر کر کے ظلمات کا سینہ چیر کر رکھ دیتی تھی اور جو طاغوتی نظام کی جڑیں اکھاڑنے والے فرزندوں کو جنم دیا کرتی تھیں۔

صدر نشین مجلس!

آج ہماری قوم پستی کے گڑھے میں کیوں گر رہی ہے؟ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ماؤں نے اس حبل المتین کو چھوڑ دیا ہے جو

ملت بیضا کے عروج کی ضامن تھی۔ مغربی فیشن اندھی تقلید ماؤں کا اوڑھنا بچھونا بن گئی ہے۔ فیشن پرستی نے ماؤں کو اپنی تہذیب اور ثقافت سے دور پھینک دیا ہے۔ یہ عریانی اور فحاشی، یہ ناچ اور گانے، یہ راگ اور رنگ، یہ تصاویر کے ذریعے عورت کی رسوائی اور ٹیلی ویژن، وی سی آر پر ان کے رسوا کن نخرے، پیسے کے عوض ان کی بکتی ہوئی ادائیں۔ یہ حصولِ زر کے لئے ان کے ارزاں نخرے، یہ سلامیاں، یہ پریڈیں، یہ غیروں کے سامنے حسن اور اداؤں کی بے حجابی یہ سب ابلیس کے بچھائے ہوئے جال ہیں، جن میں قوم کی ماں، بہن اور بیٹی مرغ ناداں کی طرح پھنس گئی ہے، بقول حضرت اکبرالہ آبادی:

ترقی کی نئی راہیں جو زیرِ آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں

شیطان کا یہ پرانا حربہ ہے کہ اگر کسی قوم کا ستیاناس کرنا ہو تو اس کی عورت کو گمراہ کر دو۔ پھر یہ بگاڑ سرطان بن کر ساری قوم میں سرائیت کر جائے گا اور اسی نسخے کے یہ اثرات ہیں جو ہم اپنے محلوں، گلی بازاروں، قومی شاہراہوں، منڈیوں اور کارخانوں، تجارتی ایوانوں اور ایوانات شاہی میں دیکھ رہے ہیں۔

صدر عالی وقار!

اگر ہم خودکشی کرنا نہیں چاہتے بلکہ عزت و وقار کی زندگی کے خواہاں ہیں تو ہمیں عقل کے ناخن لینے چاہئیں اور ہماری ماؤں، بہنوں کو اسلام کے چشمہ صافی سے جرعہ نوشی کر کے اپنی پیاس بجھانی چاہئے۔ قرآنی تعلیمات کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا چاہئے۔ اسوۂ بتولؓ کو حرزِ جاں بنانا چاہئے۔ چادریں اوڑھ کر زندگی کی شاہراہوں پر چلنا چاہئے۔ پھر انشاءاللہ جو نسل اٹھے گی وہ حیدر کرارؓ اور خالدؓ جانباز کے کردار کی حامل ہوگی اور اسلام کا علم اٹھا کر بوئے گل کی طرح تمام عالم کو اپنی خوشبوئیں بخشتی اور مشامِ جاں کو معطر کرتی ہوئی چلے گی۔ شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف سے بڑھ کر ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی، لیکن
اس کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

علم بڑی دولت ہے

زینت بخش کرسی صدارت اور حاضرین گرامی منزلت!

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں علم کے لغوی معنی ہیں "جاننا"۔

کسی چیز کی ماہیت یا حقیقت دریافت کرنا، اس کے فوائد اور نقائص سے واقف ہونا، مقامِ استعمال کا جاننا اور مناسب مواقع پر اس سے مستفید ہونے کا نام علم ہے۔

میرِ محفل!

علم ایک پائیدار دولت ہے، جس کو کبھی زوال نہیں۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے بلکہ دنیا خود فنا کا گھر ہے۔ ہر کمال کو زوال ہے، ہر آباد کے لئے برباد ہونا لازمی ہے، ہر بہار کے بعد خزاں ہے، ہر دن کے بعد رات ہے، ہر نور کے بعد تاریکی ہے، دولت مندی کے ساتھ غریبی ہے، تندرستی کے ساتھ بیماری ہے۔ غرضیکہ عالمِ مشاہدات میں ایسی کوئی چیز بھی ڈھونڈنے سے نہ ملے گی، جو گھٹی بڑھتی نہ ہو، لیکن علم ایک وہ دولت ہے جسے ہمیشہ بڑھنے ہی سے کام ہے۔ جتنا خرچ کرو گے اتنا ہی بڑھتی جائے گی، اسے چور کا ڈر نہیں، چوکیدار کی ضرورت نہیں، یہ دولت ہر وقت محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ داناؤں کا مقولہ ہے:

دوست آں باشد کہ گیرو دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

صدرِ عالی وحاضرین گرامی!

دوست وہی ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے، ورنہ اچھے دنوں میں تو ہر کوئی یارِ غار ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ دنیا کے تلخ تجربوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کا دوست نہیں، مصیبت کے وقت ہر کوئی اپنی جان بچانے کی فکر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر انتقالِ آبادی کے واقعات دیکھئے کہ کس طرح نفسانفسی کا بازار گرم رہا۔ زمین نہ رہی، مکانات نذرِ آتش ہوئے، دولت چھین لی گئی، اموال پر ڈاکے ڈالے گئے، غرض ہر چیز تباہ و برباد ہوئی۔ بے چارے بے کس اور بے بس انسان کے ساتھ کسی نے بھی وفاداری نہ کی۔

صدرِ عالی صفات!

ہاں! اگر کسی چیز سے وفا کی بو آئی تو وہ ایک علم تھا۔ جو ہر موقع پر صاحبِ علم کے کام آیا۔ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، غضب کی آندھیاں

چلیں، کفر کے سمندر میں تلاطم برپا ہوا، لیکن کشتی علم نہ ڈوبی، پر نہ ڈوبی۔

ارباب دانش وحکمت!

علم کی سینکڑوں کیا لاکھوں کرامات ہیں، جو ہمارے دیکھنے میں آرہی ہیں۔ وہ انسان جس کی آواز ایک یا دوفرلانگ تک بمشکل سنائی دیتی ہے۔ آج زمین کے ایک کونے میں بیٹھ کر دوسرے کونے تک سنا جاسکتا ہے۔ آندھیاں چلیں، بادل گرجیں، چیخ وپکار ہو کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے، لیکن مشرق کا انسان مغرب کے انسان کی باتیں سنے گا، انسان کو فضائے آسمانی میں کس نے اڑایا۔ سمندر کے سینے کس نے چیرے، ہوا میں آگ کس نے لگائی، پانی سے بجلی کس نے پیدا کی، اندھیرے گھروں کو نور سے منور کس نے کیا، علم نے، صرف علم نے۔ انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنانا علم کا کام ہے ورنہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔

جناب صدر اور ارباب دانش!

علم ہی نے انسان کو صفائی اور پاکیزگی کے اصول سمجھائے۔ نیکی اور بدی میں فرق دکھایا تو علم نے۔ علم حساب ایجاد ہوا تو علم سے غرضیکہ انسان تو وہی ہے جو ماں کے پیٹ سے رونے کے سوا کچھ نہیں لایا تھا، اور آج ہے کہ عرشِ عظیم پر چلتا نظر آتا ہے، کون ہے جو علم کی برکات کا قائل نہیں۔ عرش سے لے کر فرش تک ہر چیز زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے

پے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

صدر عالی صفات!

عالم اور جاہل میں زمین آسمان کا فرق ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

قائداعظم، اقبال، ارسطو، جالینوس، شیخ سعدی وغیرہ دنیا کی بے شمار ہستیاں جن کی قبروں کے نشان بھی مٹ چکے ہیں، صرف علم کی بدولت آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک بچے بچے کی زبان ان کا نام لیتی رہے گی، علم ایک وہ شے ہے جو صاحب علم کو مرنے کے بعد بھی زندہ وجاوید رکھتی ہے۔

علم ایک نور ہے جو انسان کو تاریکی سے روشنی تک لے جاتا ہے۔

علم بحر بیکراں ہے، علم وہ چشمہ ہے جس کے سامنے چشمہ آبِ حیات بھی ہیچ ہے، صحیح عقل اور صحیح دماغ والا انسان وہی ہے جو علم کو چاہتا ہے۔

سچ ہے کہ علم بڑی دولت ہے۔

دیہاتی اور شہری زندگی

صدر گرامی و حاضرین عالی!

میری آج کی تقریر کا عنوان ہے دیہاتی اور شہری زندگی۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ شہری اور دیہاتی زندگی میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ شہری زندگی بھرپور تمدنی زندگی کہلاتی ہے۔ یہاں انسان کو ہر سہولیات میسر ہوتی ہیں۔ یہ ایک پر تعیش زندگی ہوتی ہے۔ شہر کی زندگی میں تیزی اور برق رفتاری پائی جاتی ہے جبکہ دیہات کی زندگی انتہائی سادہ تصنع سے مبرا اور عیش و عشرت سے عاری ہوتی ہے۔

صدر والاقدار اور حاضرین ذی شعور!

دیہاتی زندگی کا آدمی جو عام طور پر کسان ہوتا ہے، یہ ایک ایسی شخصیت ہے جس کے دم قدم سے اس دنیا کی ساری رونق ہے۔ دنیا کی ہر چیز بدلتی رہتی ہے، تغیر ہی ایک ایسی چیز ہے جسے قیام و ثبات حاصل ہے۔ موسم بدلتے ہیں، آج گرمی ہے، پھر سردی، کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں۔ زندگی پیہم رواں دواں ہے۔ حکومتیں اور سلطنتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ آج ایک بادشاہ ہے کل فقیر، اسی طرح زندگی میں ترقی اور تہذیب کے ساتھ معمولاتِ حیات میں بھی تبدیلی آرہی ہے، لیکن دیہات کی زندگی اپنے اندر ایک قدیم طرز لئے ہوئے ہے، وہ اپنی پرانی ڈگر پر رواں دواں ہے، اس کو نہ تہذیب حاضر کی چمک دمک متاثر کرسکتی ہے نہ زمانے کے انقلاب۔

صدر ذی حشم و احبابِ گرامی!

ہمارے اس ملک پاکستان میں دیہاتی انسان شاید دنیا کا مظلوم ترین بے بس و بے کس انسان ہے۔ اس کی زندگی ایک ہی ڈگر پر چل رہی ہے۔

دیہاتی زندگی کا ماحول پاکیزہ، صاف ستھرا اور کثافت سے مبرا ہے، نہ وہاں آلودگی پائی جاتی ہے کہ جس سے سانس گھٹن کا شکار ہو، نہ وہاں کی فضا آلودہ ہے۔ ماحولیاتی آلودگی تو دیہات میں بہت کم ہے جبکہ ہمارے شہر اس دولت سے مالا مال ہیں۔ ٹریفک کا اژدھام کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ گاڑیوں کے ایندھن کا جلتا ہوا زہریلا دھواں جو ہر سانس کے ساتھ ہمارے پھیپھڑوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ شہری آلودگی کی وجہ سے یہاں بہت سی زہریلی بیماریاں پنپتی ہیں۔ غذائیں تو ہیں مگر خالص نہیں۔ ہر چیز ملاوٹ شدہ ہے، یہاں تک کہ انسانیت میں بھی خلوص نہیں پایا جاتا۔

احباب گرامی منزلت!

دیہات کی زندگی ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک ہے، وہاں انسانیت ہے تو ساتھ میں خلوص بھی موجود ہے۔ فضا ہر قسم کی ماحولیاتی آلودگی سے نا آشنا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ پیار، محبت اور خلوص کے ساتھ رہتے ہیں۔ سادہ غذائیں کھاتے ہیں، اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ان میں کوئی غرض کوئی لالچ نہیں جبکہ شہر کی زندگی اس قسم کے عذابوں سے بھری پڑی ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ دیہات کی زندگی بہت ہی سادہ ہے۔ اس میں کوئی مکاری، فریب اور تصنع نہیں ہے۔ وہ رنگِ تکلف کے غازے سے نا آشنا ہے۔ سادگی اور محنت اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس کی طرز بود و باش محدود اور کام انتہائی محنت طلب ہیں۔ دیہات کا باشندہ زمین کے ذروں کو اپنا خون دیتا ہے اور زمین اس کے لئے سونا اگلتی ہے۔

صدرِ ذی حشم!

شہر کی زندگی میں ہر شخص غیر مطمئن ہے۔ پریشانی نے زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرلیا ہے۔ زندگی کا نظام سکون سے تہی ہوتا جارہا ہے۔ وقت کی شاخ سے حادثات کے نت نئے شگوفے پھوٹ رہے ہیں۔ انسان انسان کا دشمن ہوتا جارہا ہے۔ اطمینان، قناعت اور سکون کی دنیا لٹ گئی ہے۔ جس طرف دیکھو انسان سکون کا متلاشی ہے۔ سکون اس لئے ناپید ہے کہ انسان نے اپنی ضروریات کو لامحدود کرلیا ہے لیکن دیہاتی زندگی کے معمولات چونکہ مختصر اور سادہ ہوتے ہیں، اس لئے اس کے شب و روز میں ایک دلجمعی اور اطمینان ہوتا ہے۔

اربابِ بصیرت!

آج بھی گاؤں کا ایک کسان جو اپنی زمین کا سینہ چیر کر اپنا رزق حاصل کرتا ہے۔ تہی داماں ہے، وہ آج بھی جدید زرعی آلات سے محروم ہے، اچھے بیجوں سے محروم ہے، مناسب قیمتوں پر کھاد حاصل کرنے سے محروم ہے، فصلیں اگانے اور پروان چڑھانے کے لئے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے، اس سے محروم ہے۔

دیہاتی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہاں بیماروں کے لئے شفاخانے نہیں، لوگ آج بھی علاج معالجے کے لئے قصبوں اور شہروں کا رخ کرتے ہیں۔

دیہاتی زندگی غربت و افلاس کی زندہ تصویر ہے۔ رہائش کے لئے موزوں گھروں کی تعمیر سے محروم ہے۔ غرضیکہ گاؤں کی زندگی محرومیوں کا شکار ہے۔ وہ ہر سہولت سے محروم ہے۔

دیہاتی زندگی کی ایک عجیب داستان ہے وہاں کے باشندے صبح سویرے ہی اٹھ جاتے ہیں، جبکہ اس وقت شہری زندگی سکون کی گہری نیند سو رہی ہوتی ہے نہ اسے موذن کی آواز جگا سکتی ہے نہ مرغانِ سحر کے نغمے۔

جنابِ صدر!

دیہات میں فجر کے وقت ہی زندگی کا آغاز ہوجاتا ہے، لوگ صبح اٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں، اپنے پروردگار کا نام لے کر وہ اپنی صبح کا آغاز کرتے ہیں اور اس نام سے انجام، طلوع آفتاب کی پہلی کرن کے ساتھ ہی دیہات کی زندگی رواں دواں ہوجاتی ہے۔ کسان اٹھ کر اپنے کھیتوں میں

چلا جاتا ہے، ہل جوتتا ہے، فصل بوتا ہے، نلائی کرتا ہے، پانی دیتا ہے، زمین کی سختی اس کے ہل کے سامنے نرم ہو جاتی ہے اونچ نیچ خود بخود ہموار ہو کر رہ جاتی ہے۔

جس کے چھوتے ہی مثلِ نازنین مہ جبیں
کروٹوں پر کروٹیں لیتی ہے لیلائے زمین

جناب صدر اور ارباب دانش!

آیئے اب ذرا ایک نظر دیہاتی زندگی کے باشندے کسان پر ڈالتے ہیں۔

ہمارے کسان کے آج جتنے بھی مسائل ہیں اور جتنی بھی محرومیاں ہیں وہ سب حکومتوں کی غفلت اور بے توجہی کے سبب پیدا ہوئی ہیں اور اس پر ستم یہ کہ ان سب محرومیوں کو دور کرنے کے بجائے حکومت کا محکمہ مال ان غریبوں کو طرح طرح سے ہمیشہ ستاتا رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دیہات کے ان سادہ لوح انسانوں کے جسموں میں جو تھوڑا بہت لہو رہ گیا ہے، اسے بھی نچوڑ لیا جائے۔

کسان تو وہ عظیم ہستی ہے جو بیج بو کر فصل تیار ہونے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ دیہات کی زندگی بڑی مشقت طلب زندگی ہے، جبکہ شہر کی زندگی اس کے برعکس بڑی سہل پسند ہے۔ دیہاتی زندگی کی صاف و پاک ہوا کی وجہ سے وہاں کے باشندوں کی صحت قابل رشک ہوتی ہے۔ دیہات میں صبح کے وقت ٹھنڈی آکسیجن انسان کو تقویت پہنچاتی ہے۔ دیہات کے باشندے مشقت کے عادی ہوتے ہیں۔ کسان جو دیہات کا باشندہ ہے، وہ اپنی فصل پک جانے پر کاٹتا ہے، یہ ہی اس کے لئے سب سے بڑا ایڈونچر ہے۔ اس فصل میں اس کے دل و جگر کے خون کی آمیزش ہوتی ہے۔ وہ فصل کاٹتا ہے، گھر لاتا ہے ذخیرہ کرتا ہے، ضرورت کے مطابق رکھ لیتا ہے اور باقی فروخت کر دیتا ہے جسے تن آسان لوگ خریدتے اور کھاتے ہیں اور ان کے دل میں یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ اس اناج میں کتنے انسانوں کے دنوں کی تپش، شبوں کا گداز، ہاتھ کی محنت اور نگاہوں کی آرزوئیں چھپی ہوئی ہیں۔ دیہات کے باشندے بڑے عظیم ہوتے ہیں۔

یہ وہ انسان ہیں دامانِ شفقت میں جو پلتے ہیں
جہاں سوتا ہے اور یہ آبیاری کو نکلتے ہیں
برستے بادلوں میں کھیتیاں جب لہلہاتی ہیں
تو ان کی آرزوئیں جھومتی ہیں مسکراتی ہیں

صدر عالی صفات!

دیہات کے کئی ایک مسائل ہیں، جو یہاں کے باشندوں کو درپیش ہیں، کسی گاؤں کی کوئی نہر محکمہ انہار کی غفلت اور مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی صورت میں کنارے کمزور پڑنے پر ٹوٹ جائے، پٹواری محکمہ مال کا ہو یا نہر کا ہر کسان سے منوں کے حساب سے گندم، دیسی چینی، گڑ، شکر اور سیروں کے حساب سے سرسوں کا تیل مختلف قسم کی دالیں، پیاز، لہسن وغیرہ وصول کرتا ہے۔ جو قسمت کا مارا انکار کی جرأت کرے گا، اس کا آیانہ اور

مالیہ غلط اندراج کر کے اتنا بڑھا دیا جاتا ہے کہ کسان برسوں تک قرضہ ہی اتارتا رہ جائے۔

صدر نشین وحاضرین کرام!

آج کل کی بڑھتی ہوئی ترقی دیہات تک بھی پہنچ گئی ہے اور وہاں کے باشندوں کی زندگی بھی کسی حد تک اس سے متاثر ہے۔ اب وہاں کنوؤں کے بجائے ٹیوب ویل کا پانی گاؤں کو سیراب کرتا ہے۔ ہل کی جگہ ٹریکٹر لے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود دیہات کی زندگی کے معمولات میں سادگی اور باقاعدگی موجود ہے اور آج ضرورت بھی اس امر کی ہے کہ دیہات کے رہنے والے باشندے جدید ایجادات سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی کوششوں کو بہتر طریق سے بروئے کار لائے۔

صاحب صدر!

حکومتی سطح پر بھی دیہات کے باشندوں کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جانا چاہئے۔ ہمارا دیہات میں رہنے والا بھائی جب خدانخواستہ بیمار ہوتا ہے تو اسے علاج ومعالجہ کے لئے شہر کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ دیہاتوں میں شفاخانے نہ ہونے کے برابر ہیں اور جو ہیں وہ بھی جدید سہولیات تو دور کی بات معمولی سہولیات سے بھی آراستہ نہیں۔ ملک کے میڈیکل کالجوں سے ڈاکٹر بن کر نکلنے والے نوجوان مغربی ممالک میں ملازمت کے لئے چلے جاتے ہیں۔ ہماری دیہاتی عورتوں اور نومولود بچوں کی ایک بڑی تعداد علاج کی مناسب سہولتوں کے فقدان کے باعث موت کا ترنوالہ بنتی رہتی ہیں۔

صدر ذی وقار!

دیہاتی زندگی کے بھی کچھ اپنے مسائل ہیں، یہ وہ مسائل ہیں وہ ان کے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں، مثلاً وہاں کے کسانوں میں مقدمہ بازی کی لت ایک ایسی چیز ہے جس نے ان کی فطری زندگی کا سکون ہلا دیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کو تو گاؤں کی پنچایت میں سلجھا دیتے ہیں، لیکن اکثر عدالت تک جانے کی نوبت آجاتی ہے جہاں ان کا وقت اور روپیہ دونوں ضائع ہوتے ہیں۔

صاحب صدر!

میں تو یہی کہوں گا کہ دیہات کی زندگی سچی اور شفاف ہے، وہاں کوئی تصنع نہیں، کسی چیز میں ملاوٹ نہیں، فضا ہے تو آلودگی سے صاف پیار ومحبت کی فراوانی ہے۔ دکھ سکھ میں شریک ہونے کا جذبہ ہے اور یہاں شہروں میں کیا ہے، یہ ہمیں سوچنا چاہئے، یہ ایک لمحہ فکریہ ہے، جواب طلب بات ہے۔

❁

معاشرتی بگاڑ کا ذمہ دار کون؟

جو کوئی پیکر نہیں حسنِ اخلاق کا
کوئی اس کو انساں سمجھتا نہیں
نہیں جس کے دل میں کسی کا لحاظ
کسی کے دل میں بھی وہ بستا نہیں

صدر فیض درجت، مہمانِ ذی حشم اور حاضرین عالی مرتبت!

دنیا کا کوئی مذہب ہو یا قانون، معاشرے میں توازن رکھنے کے لئے اخلاق کا درس دیتا ہے۔ معاشرتی بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ اخلاق کا فقدان ہے۔ ادیانِ عالم پر نظر ڈالیں تو ہر مذہب اخلاق کو تہذیب و ترقی کے لئے مرکزی حیثیت دیتا ہے بلکہ بیشتر ادیان ضابطوں اور زندگی کے نظاموں کا دارومدار ہی اخلاق پر ہے کیونکہ ان تمام اچھے افعال اور نیک اعمال کا مرقع ہے جو نہ صرف بنی نوع انسان کو مرغوب ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی مطلوب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حسن اخلاق سے انسان میں شائستگی، ادب، خوش اسلوبی، فروتنی، فرمانبرداری، تواضع اور وفاداری ایسے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جو ایک صالح معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں مددگار بنتے ہیں، جہاں انفرادی اور اجتماعی طور پر حقوق و فرائض کی ادائیگی سے عملی زندگی کی راحتوں اور آخرت کی سرفرازی کا اعزاز ملتا ہے جس ملت میں جس معاشرہ میں اخلاق حسنہ فروغ پا رہا ہو، وہاں معاشرتی بگاڑ کا فقدان ہوتا ہے۔ اخوت، بھائی چارہ اور مساوات، یہ وہ چیزیں ہیں، جس پر اسلام بہت زیادہ زور دیتا ہے جو معاشرہ ان چیزوں کو اپنا لیتا ہے وہ بگاڑ سے محفوظ رہتا ہے۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اربابِ عالی قدر!

چونکہ انسان معاشرہ کا جزو ہے، لہٰذا اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے بلکہ اپنے فرائض کو بطریق احسن ادا کرے نہ کہ بداخلاقی، غیر ذمہ داری یا ورسیاہ کاری سے معاشرہ کو جہنم زار بنا دے۔ اگر ایسا ہو تو معاشرہ کے بگاڑ کا ذمہ دار ہر فرد ہے۔ اگر انسان میں اخلاق پروان چڑھ رہا ہو تو یہ معاشرے کو سنوار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی پابندیوں کا عملی احساس ہر انسان کا فریضہ ہے۔ اس کی تکمیل قرآنی ارشادات اور محمدی تعلیمات ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا قرآن و سنت کے احکامات قدم قدم پر لحاظ ہی شرفِ مسلمانی ہے۔

صاحب صدر!

معاشرے میں بگاڑ کا اصل سبب حق تلفی اور ناانصافی ہے، جس معاشرے میں یہ دونوں خباثتیں پائی جاتی ہیں اس معاشرے کو بگڑنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ بگاڑ کا پہلا زینہ ہے۔

اخلاق باختہ شخص کبھی بھی معاشرے کا فعال اور اہم رکن نہیں ہو سکتا۔ نوجوانوں میں اگر بگاڑ کا پودا پروان چڑھنے لگے تو یہ بہت جلد تناور درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اگر ہمارے اساتذہ اچھے ہیں تو معاشرے میں بگاڑ کی فضا بہت حد تک کم ہو سکتی ہے، والدین اس کی اچھی تربیت کریں، اساتذہ اسے اچھی تعلیم دیں تو وہ بن سنور کر ایک اچھا شہری ثابت ہو سکتا ہے۔

ایک حد تک غیر نصابی سرگرمیاں ہی معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتی ہیں، آج کل کلاشنکوف کلچر عام ہے، نشے کی بری لت ہر جگہ موجود ہے، آیئے سوچتے ہیں کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔

جناب صدر!

اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں، ہم نے ہی اس معاشرے کو بگاڑا ہے جہاں مظلوموں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہو، حق داروں کی حق تلفی ہو رہی ہو، نوجوانوں کے ہاتھ سے کتاب چھین کر انہیں کلاشنکوف تھما دی جائے تو ہم کیسے ایک متوازن معاشرے کی امید رکھ سکتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے بھولے بھالے نوجوانوں کو استعمال کرتے ہیں۔ یہاں سے ایک سیدھی سادی اور اچھی نسل جسے اپنے ملک وقوم کا مستقبل سنوارنا ہے وہ بگاڑ کے راستے پر گامزن ہو جاتی ہے۔

اگر والدین بچے کی صحیح طور پر تربیت نہ کریں تو بچہ کبھی راہ راست پر نہ چلے گا۔ اس کا اخلاق بگڑ جائے گا اور یہیں سے وہ بدتہذیبی کی راہ پر چل پڑے گا۔ اس کے علاوہ معاشرے کے بگاڑ میں سب سے بڑا ذریعہ میڈیا ہے۔

صدر ذی وقار و سامعین ذی حشم!

چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا دونوں ہی معاشرے کو بگاڑنے میں اپنا اپنا پورا حصہ ادا کر رہے ہیں، اخبارات میں ہر خبر بری نہیں ہوتی مگر کچھ اخبارات ہیں جو نوجوانوں کو بلکہ معاشرے کے ہر فرد کا اخلاق بگاڑنے میں پیش پیش ہیں۔ ایسی حیا سوز تصاویر شائع کی جاتی ہیں کہ الاماں والحفیظ، ٹی وی ہی کو لے لیجئے۔ اب تو کیبل کے ذریعے ٹی وی پر ہر گھر میں باقاعدہ پوجا ہوتی ہے، ہمارے معاشرے کو بگاڑنے میں ٹی وی کا بہت بڑا ہاتھ ہے، ٹی وی پر پڑوسی ملک کے ڈراموں کی یلغار ہو رہی ہے جس میں وہ اپنے معاشرے کو اپنے مذہب پر موٹ کرتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ہر ڈرامے میں کسی نہ کسی طور اپنی پوری پوجا پاٹ دکھاتے ہیں اور یوں ہر مسلمان گھرانے میں بھی ان کے اشلوک سنے جا سکتے ہیں۔ ہر گھر میں پوجا کی رسم ادا ہوتی ہے۔

صاحب صدر!

ہمارے دور کے بچے ان چیزوں کو بڑی تیزی سے اپنے اندر سمو رہے ہیں، ہمارے ذہنوں سے اسلامی اقدار محو ہو رہی ہیں، ہمارا ذہن

ہندو کلچر کی طرف مائل ہو رہا ہے اور بچے بلا سوچے سمجھے ہندی کے الفاظ ادا کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔

ان ڈراموں میں بڑوں اور بزرگوں کی عزت کو اچھالا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ بدتمیزیاں دکھائی جاتی ہیں جو ہمارے معصوم ذہنوں میں نقش ہو جاتی ہیں۔ عریانی کا دور دورہ ہے، کیا یہ سب کچھ ہمیں بگاڑ کی طرف نہیں لے جا رہا ہے؟

صاحبِ صدر!

یہ ہم سب کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے، ہمیں اس سے صرفِ نظر نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے خلاف بھرپور جہاد کرنا چاہئے۔ اگر ہم نے اس سے منہ نہ موڑا تو یہ آہستہ آہستہ دیمک کی طرح ایک دن ہمارے معاشرے کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دے گا۔ ہندو ہمارے ذہنوں کو جنگ کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے میڈیا کے ذریعے فتح کر رہا ہے۔ ہمیں اس کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔ آیئے ہم آج سے بلکہ ابھی سے عہد کریں کہ ہمیں معاشرتی بگاڑ کے اس سب سے بڑے ذریعے کے خلاف جنگ کرنا ہے۔

حاضرین باتمکین!

جب کسی قوم کو تباہ و برباد کرنا ہو، اس میں بگاڑ پیدا کرنا ہو تو اس کا اخلاق تباہ و برباد کر دو، باقی کچھ نہیں بچے گا۔ معاشرہ خود بخود بگاڑ کی طرف سفر شروع کر دے گا۔ جب تک ہم اپنے اخلاق کو نہیں سنوار لیتے، اس یلغار کو روکنے کے لئے ہمیں متحد ہو کر آگے بڑھنا ہوگا۔ آیئے ہاتھوں میں ہاتھ دیجئے اور اپنے معاشرے کو اس بگاڑ سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کریں۔

حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھے اخلاق کے مالک ہیں''۔

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہاں تک فرما دیا:

''ہر گناہ کی توبہ ہے مگر بد اخلاقی کی نہیں''۔

گویا بد اخلاقی ایک گناہ کبیرہ کا درجہ رکھتی ہے جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

''یتیم وہ نہیں جو والدین کے سائے سے محروم ہو گیا ہو، بلکہ یتیم وہ ہے جو اخلاق سے محروم ہو''۔

جو خلق و مروت سے محروم ہے
یتیمی اس کا ہی مقدم ہے

جنابِ صدر و احبابِ گرامی منزلت!

اخلاق میں ہر وہ عمل شامل ہے، جو دین اسلام کی رو سے اچھائی ہے، جو امر بالمعروف کے تحت آتی ہے۔ میرے خیال میں تو شعائر اسلامی ہی اخلاق ہیں، جن میں امانت و دیانت، صدق و صفا، عجز و انکساری، عدل و انصاف، شرافت و سادگی، مساوات و برابری، صبر و قناعت، اخوت و بھائی چارہ، عزم و استقلال، ایفائے عہد، علم و حیا، عزت و خدمت، رحم و کرم، عفو و درگزر، طہارت و پاکیزگی، ایثار و قربانی غرض ہر نیکی شامل

ہے، اور جس معاشرے میں یہ تمام اوصاف پائے جاتے ہوں، وہاں بگاڑ کا کیا کام۔

صدرِ مکرم، مہمانِ معظم اور حاضرینِ محترم!

معاشرے میں بگاڑ کا اصل ذریعہ اخلاقِ رذیلہ ہے۔

مسلمان خوش قسمت ہیں کہ جہاں انہیں اسلام نے ایسے اخلاقِ حسنہ سے نوازا ہے جو دین و دنیا میں ان کی نجات کا پیش خیمہ ہیں، وہاں انہیں اخلاق رذیلہ سے بھی آگاہ کر دیا ہے، جو ان کی تباہی و بربادی کا ذریعہ ہیں، معاشرے کے بگاڑ کا سبب ہیں۔

معلم اخلاق محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی تکمیل اخلاق تھا جس سے واضح ہے کہ وہ ان برائیوں، بداعمالیوں اور گناہوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے جو امت مسلمہ میں فتنہ و فساد اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے رکاوٹ تھے۔

تمام نوع بشر پر کرم جتانے کو
کہا ہے اب خدا نے نبیؐ کے آنے کو
نبی کے نام سے وہ پائیں گے حیات ابد
متاعِ زیست کو، نکلے جو لٹانے کو
عظیم ذات ہے نسبت کا فیض ہے حامد
ملی ہیں عظمتیں کتنی مرے گھرانے کو

صدرِ مکرم اور اربابِ بزم!

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ارشادِ ربانی بھی اس حق و باطل کی آویزش کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے اور ظاہر ہے کہ کسی بھی کام کی تلقین اس وقت موثر ہوگی جب خود اس پر کاربند ہوں گے، ورنہ خود میاں فصیحت اور دوسروں کو نصیحت والا معاملہ ہوگا۔

اربابِ بصیرت!

قرآن کریم نے جن بدافعال کو اخلاق رذیلہ کی فہرست میں پیش فرمایا ہے، اور ان سے بچنے کی بار بار تاکید کی ہے، ان میں جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، کبر و غرور، حسد و بغض، فحش گوئی، بے شرمی، ایذا رسانی، حرص و طمع، وعدہ خلافی، غیض و غضب، پراگندگی اور شرک و بدعت بہت نمایاں ہیں، بلکہ یہ تو ان گناہوں میں شمار ہیں جن کے لئے سخت سزا کی وعید ہے۔

بغض کے مرتکب افراد تو ملعون متصور ہوتے ہیں کہ ان بھی برائیوں کے بارے میں دو دو تین تین آیات قرآنی بخوبی دستیاب ہیں، جن سے ان کی اہمیت اور گریز کی تلقین ہوتی ہے۔

صدرِ والا قدر!

ان بداخلاقیوں یعنی خطا کاریوں کے علاوہ بھی بے شمار ایسے افعال موجود ہیں جن سے اجتناب کا حکم صادر رہوا ہے۔ان میں تفرقہ بازی، اللہ کی توہین، نبی سے سبقت، دین سے خیانت، ریاکاری، ہوس، گالی گلوچ، کم تول، حرام خوری، سود، حیلہ جوئی، ناانصافی، رشوت، جانبداری، افواہ، بے حیائی، عجلت، کاہلی، کرید، نادانی، گمراہوں کی پیروی اور اللہ تعالیٰ سے دوری کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

ارباب دانش!

اگر ہم بحیثیت مسلمان اپنے کردار وعمل کا جائزہ لیں تو ہماری گردنیں شرم سے جھک جائیں، اور کوئی نیکی ایسی نہیں جو ہماری نجات کا سامان ہوگی، بلکہ اگر اپنے ماضی وحال کا حساب لیں تو شاید کسی بھی موقع پر ضمیر سے اطمینان کا جواب نصیب نہ ہو۔

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعالِ مضر سے کچھ نہ اچھا
اکبر نے سنا ہے اہلِ غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

کاش ہم نام ہی کے نہیں، کام کے بھی مسلمان بنیں، اور خدا کا یہ پیغام ذہن میں رکھیں۔

"دین میں پورے پورے داخل ہوجاؤ"۔

صدر ذی وقار!

ہمارے انفرادی بلکہ قومی وملی اخلاق کا بھی دیوالیہ نکل چکا ہے اور کوئی اقدام ایسا نہیں جس پر ہم فخر کر سکیں کہ غیر مسلم اقوام ہماری تعظیم، تعریف یا تقلید پر مجبور ہوں، بلکہ وہ تو اکثر کہتی ہیں کہ اسلام ایک بے مثال دین ہے، مگر اہلِ اسلام یعنی مسلمان بے عمل اور بدقسمت قوم ہے جو روشنی کا چراغ ہاتھ میں تھامے، تاریکیوں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے
نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

صدر مکرم وارباب بزم!

اگر ملکی سطح پر دیکھیں تو اندرونی طور پر اس قدر خلفشار اور انتشار ہے کہ اخلاق نام کی کوئی چیز دور دور تک نظر نہیں آتی، علم تو علم وہ خاص لوگ جو اخلاق وتربیت کے علمبردار یعنی تعلیم وتعلم، سیاست ومعاشرت، خطابت وفراست اور قیادت وسیادت کے دعویدار ہیں، کس طرح ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں یا کون ہے جو ان بڑے لوگوں کی بہتان تراشیوں، خودغرضیوں اور سیاہ کاریوں سے آشنا نہیں؟ مگر ہماری زبانیں شاید اسی

لئے گنگ ہو جاتی ہیں، عیب جوئی بھی اخلاقِ رذیلہ میں شمار ہونے لگتی ہے۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیئے
ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایک سچا مسلمان اور محبِ وطن پاکستانی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہر چند کہ طاعت میں ہوا ہے تو پیر
ہر بات میری سن کے نہیں ہے تاثیر
تسبیح و کف پھیرنے سے کیا کام چلے گا
منکے کی طرح دل نہ پھرے جب تک میر

میرا دین

نہ کر عوض مرے جرم و گناہ بے حد کا
الٰہی تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں، کہیں نہ عدو، دیکھ کر مجھ کو محتاج
یہ اس کا بندہ ہے، جس کو کریم کہتے ہیں

صدر محترم مہمانِ ذی وقار اور سامعین مکرم!

جب انسان آسمانوں کی بلندیوں، پہاڑیوں کی چوٹیوں، وادیوں کی تنہائیوں، صحرا کی وسعتوں، جنگلوں کی ویرانیوں، سمندروں کی گہرائیوں، جھاڑیوں کی وحشت اور غاروں کی پنہائیوں سے گھبرا اٹھتا ہے تو اچانک ایک ہستی کے سہارے کو پکارنے لگتا ہے، اور وہ ہے خدائے ذوالجلال، خالقِ دوجہاں، رازقِ جن وانس کی ہستی لازوال۔

معزز صدر نشین محفل!

توحید اسلام کا پہلا عقیدہ ہے، گویا ایک مسلمان کا بنیادی فرض ہے کہ وہ خداوند قدوس کی واحدانیت پر ایمان لائے۔ توحید کا لغوی معنی خدائے رحیم وکریم کو ایک ماننا ہے۔ میرا دین ہمیں اسی بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اسی خالق ومالک اور رازق کی عبادت کریں۔ اس سے حاجت روائی کے لئے رجوع کریں۔

دین اسلام کے پیروکاروں کی زندگی میں اس کے فکر وعمل میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوتی ہے، اسے عزت نفس میسر آتی ہے۔

صدر فیض ترجمان وحاضرین ذیشان!

میرا دین بڑا سہل ہے۔ یہ انسان کو مشقت میں نہیں ڈالتا، یہ اخوت و بھائی چارے اور مساوات کا درس دیتا ہے، یہ محبت سکھلاتا ہے، ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے، میرا دین اصلاحِ معاشرہ سکھلاتا ہے، غم گساری وہمدردی کا سبق سکھاتا ہے، میرا دین تقویٰ وپرہیزگاری کا دین ہے۔

میرِ مجلس اور معزز اربابِ دانش!

تقویٰ دینِ اسلام کا مرکز ومحور بلکہ بنیاد ہے کہ تمام ارکانِ اسلام اور دیگر شعائر دین کا بڑا مقصد ہی تقویٰ وپرہیزگاری کا فروغ واستحکام ہے

تاکہ مسلمان خدا کا خاص بندہ بن جائے اور سوائے اس کے کسی اور ہستی سے خوفزدہ نہ ہونے پائے۔

صاحبِ صدر!

قرآن حکیم میں جہاں بھی کسی عبادت کا تذکرہ آیا ہے، اس کا مطمع نظر یہی بتایا گیا ہے کہ تقویٰ پیدا کرو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کوئی فرض ایسا نہیں جس کی ادائیگی میں تقویٰ کا راز مضمر نہ ہو۔ مثلاً روزے کے بارے میں آیا ہے:

''تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو''۔

حج کی بابت یوں ارشاد ہے:

''اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، پس یقیناً یہ (چیز) دلوں کا تقویٰ ہے''۔

اور قربانی کے سلسلے میں اللہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ تو قربانیوں کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کا خون، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ پہنچتا ہے''۔

صدر ذی وقار اور حاضرین والا تبار!

دین اسلام ہمیں جہاد کی ترغیب دیتا ہے، کہ اللہ کی راہ میں کفار سے لڑو،

سرتا عزم و شجاعت ہے جہاد
نعرۂ حق و صداقت ہے جہاد
دین و دنیا کی سعادت ہے جہاد
ایک لافانی عبادت ہے جہاد

صاحبِ صدر!

دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو اپنی نظریاتی اساس کے استحکام، اخلاقی اقدار کے فروغ اور ملکی سلامتی کے راستے میں حائل ہونے والے دشمنوں کے خلاف نبرد آزما نہ ہو اور جنگ و جدل میں نت نئے معرکے سر کرنے اور ملک و قوم پر جان نچھاور کرنے کو سعادت نہ سمجھتی ہو، لیکن یہ امتیاز صرف مسلمان قوم کو حاصل ہے کہ وہ فتنہ و فساد کے مقابل، سعی پیہم سے جہاد کا اعزاز پاتی اور اس کے صلہ میں عنایات الٰہی سے فیض یاب ہوتی ہے، بلکہ جہاد ہی مردِ مسلمان کی پہچان اور دین و دنیا میں اس کی عظمت و سلامتی کا عنوان ہے۔

جہاد اہل ایماں کی پہچان ہے
یہ حب الٰہی کا عنوان ہے
اس پر ہے موقوف دیں کی بقا
فضیلت کا جو شاد! سامان ہے

قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہوتا ہے:

''اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جیسا کہ اس کا حق ہے''۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو''۔

دین اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ان گنت ایسے اصحاب سنہری داستانیں بن کر چمک رہے ہیں، جنہوں نے اپنا مال واسباب، دین کی ترقی اور بقاء وسلامتی کے لئے وقف کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ضمن میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اربابِ دانش!

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ میرا دین اللہ کی راہ میں جہاد کا حکم دیتا ہے اور اس کا اپنے بندے کو اجر بھی دیتا ہے۔

یہ جہاد کا فیضِ عام اور انعام واکرام ہے کہ مٹھی بھر مسلمان، بڑی بڑی مسلح افواج کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں اور اپنے جذبہ صادق کے بوتے پر دشمنانِ اسلام اور حریفانِ وطن کو بے بس اور ناکام کر دیتے ہیں۔ یہی وہ جذبہ خلوص ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیرِ خدا کو خیبر شکن بناتا، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سید الشہدا کا مقام دلاتا اور غزوہ بدر کے 313 مجاہدوں کو ہزاروں کافروں پر حاوی کر دیتا ہے، بلکہ کہیں یہ نمرود ایسے سفاک حکمران کے مقابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نعرہ مستانہ ہے تو کہیں یہ فرعون جیسے ظالم بادشاہ کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نغمہ عاشقانہ ہے بلکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبہ بیدار، محمد بن قاسم کی للکار، ٹیپو سلطان کی پکار اور میجر عزیز بھٹی کا مجاہدانہ کردار اسی جہادِ فی سبیل اللہ کے کرشمے ہیں گویا

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

صاحبِ صدر مکرم!

یہ سب میرے دین ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ مومن بغیر تلوار کے بھی دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے، اس کے اندر جذبہ ایمانی اس طور موجزن ہوتا ہے کہ وہ موت سے نہیں گھبراتا، وہ اللہ کی رضا کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے۔

معزز سامعین عالی!

دوسرے مذاہب کے مقابلے میں میرے دین اسلام کی ایک امتیازی حیثیت مساوات ہے۔ اخوت و بھائی چارہ ہے۔ اسلام کی یہ امتیازی حیثیت اور ارفع خاصیت دنیا کو ہمیشہ متاثر کرتی رہے گی کہ میرا دین مساوات کا علمبردار ہے اور نسلی ولسانی، گروہی یا طبقاتی، سیاسی و مذہبی اور

تمدنی و جغرافیائی، اختلافات، تفاخرات اور امتیازات کو مٹا کر نسلِ انسانی کو اخوت و ہمدردی، عدل و انصاف اور ایثار و قربانی ایسے اوصافِ حمیدہ سے مزین کرنے میں مصروف کار ہے۔

دشت میں دامنِ کہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شان "رفعنا لك ذكرك" دیکھے

برادران اسلام!

مساواتِ انسانی کی بابت سورہ الحجرات میں ارشادِ خداوندی ہے:

"اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے"۔

حاضرین ذی وقار!

یہی ہدایت و رہنمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمائی:

"اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے، تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے، کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں"۔

گویا اسلام مساوات و برابری کے عملی مظاہرہ کا تقاضا کرتا ہے اور تاریخ اسلام اس امر کی شاہد ہے کہ غیر مسلم اقوام نے مسلمانوں کا یہ کردار دیکھ کر نہ صرف جوق در جوق اسلام قبول کیا بلکہ اپنے ماضی کے تصورات اور معمولات پر کفِ ندامت بھی ملا۔

صدر عالی وقار!

دین اسلام خصوصاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا، اور ان پر بے پناہ مظالم وستم ڈھائے جاتے۔ حاکم سدا حاکم اور غلام سدا غلام رہتے۔ لڑکیوں کو منحوس سمجھ کر زندہ درگور کر دیا جاتا بلکہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں کوئی حقوق حاصل نہ تھے اور اخوت و محبت نام کی کوئی چیز اسلام سے قبل دکھائی اور نہ سنائی دیتی تھی۔

یہ نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل کا معجزہ تھا کہ انسان کو سماجی، قانونی، معاشی

انصاف، غرض ہر سطح پر عزت و رفعت عطا ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے۔

سب مقدر کے سکندر ہو گئے
دین میں سارے برابر ہو گئے
شیر بکری ہیں اکٹھے گھاٹ پر
امن و رحمت کے پیمبر ہو گئے

دوستانِ عزیز!

میرا دین تو اسلامی مساوات سے بھرا پڑا ہے۔

اسلامی مساوات کا مظاہرہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد واقعات سے ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر دینا، مسجد قبا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعمیر اور جنگِ خندق کے مواقع پر دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح مشقت کرنا، مکان، لباس اور غذا میں حد سے زیادہ سادگی اختیار کرنا حتیٰ کہ اصحابؓ کے اصرار کے باوجود دورانِ وعظ نمایاں جگہ پر نہ بیٹھنا، چند ایسی مثالیں ہیں جو مساوات کی ترغیب اور تربیت کے لئے کافی ہیں۔

اگر میں کہوں کہ میرے دین کا ہر رکن سراپا مساوات ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ نماز با جماعت کا مقصد ہی یہی کہ بندہ و آقا سبھی برابر ہیں۔ حج بیت اللہ شریف، دنیا بھر کے مسلمانوں کو برابری، یکسانیت، یک جہتی اور یگانگت کا درس دیتا ہے۔ روزہ تمام مرد و خواتین پر یکساں فرض ہے۔ قربانی اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی صاحب حیثیت افراد کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ہم مذہب بھائیوں کو مالی مصیبتوں کے احساس سے نکالنے اور انہیں بھی خوشی و مسرت میں شامل کرنے کی سعی کریں تاکہ سبھی مساوات انسانی کے فیوض و برکات سے مشرف ہو سکیں۔

صدر عالی مرتبت!

قانونی اور معاشی اعتبار سے بھی میرے دین اسلام نے مساوات کا پرچم سربلند رکھا ہے۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے جو سزا کسی غریب آدمی کو دی جاتی ہے، اسی سزا کا مستحق حاکمِ وقت بھی ہے اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے:

''جس نے مجھ سے بدلہ لینا ہو لے سکتا ہے''۔

اربابِ علم و دانش!

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے کو بھی سزا دینے سے گریز نہیں کرتے۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

جناب صدر و حاضرین والا قدر!

معاشی و اقتصادی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں کوئی فرد بھی اقتصادی ضرورتوں سے محروم نہیں ہونا چاہئے، نیز دین متین نے ناجائز ذرائع سے حصولِ دولت کو قطعی منع کیا ہے جبکہ میرا دین رزق حلال کو عین عبادت گردانتا ہے اور بیروزگار اور معذور انسانوں کی گزر بسر کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے بیت المال کا نظام قائم ہے کہ زکوٰۃ اور ٹیکس جمع کر کے انہیں بھی جینے کا حق دیا جائے اور یوں تمام معاشرہ، مساوات و برابری کی سطح پر آ جائے گا۔

غرض میرے دین اسلام نے عدل و انصاف کا ایک معیار قائم کر دیا کہ اسلامی ریاست کے تمام افراد یکساں انداز میں خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں، نہ وہ کسی کا حق غصب کرتے ہیں اور نہ کوئی ان کے حقوق چھین سکتا ہے، گویا

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

دوستانِ عزیز!

ان ارشادات و مشاہدات کی روشنی میں اگر ہم دنیائے اسلام، اقوام مغرب یا خود پاکستان میں کسی بھی حوالے سے انسانی مساوات کا جائزہ لیں تو گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں کہ کس طرح ایک انسان دوسرے کے حقوق چھیننے پر تلا ہوا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر زبردست زیردست کو لوٹ رہا ہے، اور انسانیت سسک سسک کر رحمتِ ایزدی کو پکار رہی ہے، گویا دورِ جہالت واپس آ گیا ہو۔

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقاخر
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

اصحاب گرامی!

اب تو شاید قانون صرف غریبوں اور بے سہارا لوگوں کے لئے ہے، جو عدل و انصاف کے لئے نہیں ان کے گلے میں پھندہ بنانے کے لئے وضع کیا گیا ہے، جبکہ امیروں اور وڈیروں کے لئے نہ کوئی قانون ہے اور نہ ہی کوئی ضابطہ اخلاق ہے کہ ان کا ہر حکم قانون اور ہر خواہش اخلاق ہے۔

عدالتوں میں مفلس سارا سارا دن گروہ در گروہ دھکے کھا رہے ہیں اور زور دار مجرم اور غاصب بلکہ راشی اور چوڑا کو منصفوں کے ہمراہ خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔

جی میں آتا ہے کہ اب ہم جنگلوں میں جا بسیں
شہر میں کوئی کسی کو راستہ دیتا نہیں

صدر ذی وقار!

جب تک یہ طبقاتی تفریق اور نسلی وخاندانی امتیاز قائم ہے، انتشار وافتراق اور بدامنی و بے چینی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک فرقے کا دوسرے کو حقیر جاننا اور ایک فرد کا خود کو دوسرے شہریوں سے افضل واعلیٰ ماننا ہی وحدت ملی کو پارہ پارہ کر دینے کا بدترین ذریعہ ہے۔ بقول اقبال

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

خدا کرے ہم دین وملت کے اتحاد اور انسانی مساوات کی ضرورت کے احساس کو دلوں میں جاگزیں اور تمام تر کبر وناز اور ہر قسم کے امتیاز کو نظر انداز کر کے ایک معاشرے کی تشکیل میں ممد ومعاون ثابت ہوں۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مساں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں!
تو خود! تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

زندگی ایک انمول نعمت ہے

صاحب صدر والا تبار و حاضرین ذی وقار!

زندگی اللہ تعالیٰ کا ایک انمول عطیہ ہے، ایک بہت بڑی نعمت ہے، اس سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا ہر انسان کا حق ہے اور روز محشر اللہ رب العزت نے ہم سے اس کے بارے میں حساب کتاب فرمانا ہے کہ میں نے تمہیں ایک انمول نعمت سے نوازا، تم نے اس کے ساتھ انصاف کیا، اگر نہیں تو کیوں۔

ارباب علم و دانش!

انسان کا دنیا میں آنے کا مقصد محض اپنے لئے زندگی بسر کرنا ہے، اور نہ ہی اللہ نے انسان کو دنیا میں اس لئے بھیجا کہ وہ اس کی عبادت کرے۔ اگر اللہ کو عبادت کرانا ہی مقصود ہوتا تو کیا ملائکہ اس کے لئے کم تھے۔

عزیز دوستو!

زندگی کا اصل مقصد ایک معاشرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال کرنا، ایک دوسرے کے کام آنا ہے۔

اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں
ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

یہ زندگی اللہ نے اپنے لئے بسر کرنے کے لئے نہیں دی، بلکہ اس زندگی کا مقصد دوسروں کے کام آنا ہے، کیا کبھی ہم نے سوچا کہ ہم نے اپنی زندگی کو صحیح طور پر استعمال کیا، کیا حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے، اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف کر دیے گا، مگر اپنے بندوں کے حقوق وہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

زندگی محض ہنس کھیل کر گزارنے کا نام نہیں، یہ نعمت اللہ رب العزت نے ہمیں اس لئے عطا کر رکھی ہے کہ ہم دوسروں کے کام آئیں، دوسروں کے لئے جیئے، دوسروں کے دکھ اور درد کو اپنے دل میں محسوس کریں، تب ہی اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کا ہم بھرپور شکر ادا کر سکتے ہیں۔

صاحب صدر!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ زندگی ایک انمول نعمت ہے، یہ نعمت ہمارے لئے انمول اس وقت ثابت ہو سکتی ہے جب ہم تندرست و توانا ہوں۔ اگر ہم تندرست اور توانا ہوں گے تو اللہ کے حقوق بھی ادا کر سکیں گے اور اس کے بندوں کے بھی۔ ایک کمزور و نحیف انسان تو اپنی زندگی ہی سے عاجز ہوتا ہے، پھر بھلا وہ دوسروں کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اپنی صحت پر توجہ دینا ہوگی۔ اگر ہماری صحت قائم ہوگی تو پھر ہی ہم

اس نعمت انمول سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تندرستی کے بغیر زندگی کچھ نہیں، تندرستی ایک بیش بہا چیز ہے۔ ایک انمول نعمت ہے، اس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، جس کو یہ نعمت حاصل ہوا سے دین و دنیا کی ہر راحت حاصل ہوتی ہے۔ زندگی اور درازی عمر کا راز اس میں پوشیدہ ہے، شاہانہ جاہ وجلال نشاطِ حیات، مال و دولت، دوستوں اور عزیزوں کی صحبت یہ تمام باتیں اسی وقت اچھی لگتی ہیں جب آدمی تندرست ہو۔

صدر فیض درجت وحاضرین کرام!

تندرست انسان کے چہرے پر رونق، خوبصورتی، تروتازگی اور شگفتگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ برعکس اس کے بیمار اور کمزور انسان کا چہرہ مرجھایا ہوا، غمگین اور اداس معلوم ہوتا ہے، انسانی ترقی کا دارومدار صحت پر ہے، اس کے بغیر نہ اللہ کی عبادت ہوسکتی ہے اور نہ دنیا کا کوئی اہم کام سرانجام دیا جاسکتا ہے، بیمار انسان کی زندگی نہ صرف اپنے لئے وبال بن جاتی ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایک مصیبت کھڑی ہوجاتی ہے۔

حاضرین باتمکین!

ایک غریب انسان جو سادہ غذا کھاتا ہے، دن بھر محنت ومشقت سے روزی کما کر رات کو اپنے بچوں میں میٹھی نیند سوتا ہے، وہ زیادہ تندرست ہوتا ہے لیکن ایک امیر آدمی جو انواع واقسام کے پرتکلف کھانے کھاتا ہے، سارا دن بیکار پڑا رہتا ہے، وہ اکثر بیمار رہتا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس دولت کی فراوانی ہوتی ہے، کام کاج کے لئے نوکر چاکر ہوتے ہیں۔

اس سہل پسندی کی عادت اسے بیماری میں مبتلا کردیتی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر بلائے جاتے ہیں، ترقی یافتہ ممالک سے نامی گرامی معالجین بلوائے جاتے ہیں لیکن بیماری سے نجات حاصل نہیں ہوتی۔

صدر عالی وقار!

کسی بھی ملک اور قوم کی ترقی کا راز وہاں کے عوام کی اچھی صحت میں پنہاں ہے، دنیا کی آبادی اور رونق صحت منداور تندرست افراد کی مرہونِ منت ہے۔ تندرست رہنے کے لئے حفظانِ صحت کے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں چاہئے کہ روزانہ سیر کو اپنا معمول بنالیں، موسم کے مطابق ورزش کریں، ہر روز نہائیں اور صاف ستھرے رہیں، جسم، لباس، دانتوں اور لباس کی صفائی کا خیال رکھیں، دھوئیں اور گردوغبار سے بچیں، ہوادار مکانوں میں رہیں، صاف ستھری غذا کھائیں، صاف پانی پئیں۔ ہمارے کھانے اور سونے کے اوقات میں باقاعدگی ہو، بری سوسائٹی صحت پر برا اثر ڈالتی ہے اس لئے صحت مند رہنے کے لئے بدقماش لوگوں کی سوسائٹی سے خود کو دور رکھیں۔ خوش اخلاقی اور خوش مزاجی سے بھی انسانی صحت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ صحت وتندرستی کا خاص خیال رکھیں تاکہ ہم صحت مند وتندرست وتوانا رہ کر اپنے پیارے ملک پاکستان کی زیادہ خدمت کرسکیں۔

صدر گرامی!

تندرستی وصحت مندی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، زندگی ایک انمول نعمت ہے، اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مفلسی، غریبی اور ناداری ہوتی رہے مگر صحت خراب نہ ہو، صحت منداور تندرست آدمی خدا کی اس نعمت سے فائدہ اٹھاتا ہے، مفلسی، غریبی اور ناداری کا مقابلہ کرتا ہے اور کامیاب

رہتا ہے۔ تندرستی دنیا میں بہت بڑی دولت ہے۔ صحت مند آدمی ہر طرح کی محنت کر سکتا ہے، اور محنت کا یہی التزام خدا کو اس قدر پسند آتا ہے کہ وہ اسے فقیری سے امیری عطا کر دیتا ہے۔ تنگدستی سے کشادگی عطا کر دیتا ہے اور انعام کے طور پر نیک نامی اور کامیابی عطا کرتا ہے۔

صدر عالی مرتبت اور حاضرین گرامی منزلت!

خدائے بزرگ و برتر نے انسان کے جسم کی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ محنت کرتے رہنا چاہیے۔ اگر ہم اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلائیں گے تو کمزور ہو کر بے جان ہو جائیں گے۔ اگر ہم چلیں پھریں گے نہیں تو ہماری ٹانگیں پھول کر من من بھر کی ہو جائیں گی، اور پھر بعید نہیں کہ ہم چلنے پھرنے سے معذور ہو جائیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں نعمت صحت کی عطا کی ہے اسے برقرار رکھنے اور بڑھانے کے لئے ہمیں ہمہ وقت کام کرتے رہنا چاہیے۔

صدر محفل و احباب گرامی!

ہمارے روحانی اعمال بھی ہماری صحت پر مثبت اور منفی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اچھی صحت کے لئے ہمیشہ نیک خیال، نیک کام، نیک کردار اور نیک چلن کی کوشش بھی کرتے رہنا چاہیے۔ نیک کاموں کا انعام اچھی صحت کی صورت میں ملتا ہے۔ حقیقت میں تندرستی، نیکی کے لئے ہی ملتی ہے۔ لہٰذا نیکی اور تندرستی سے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔

اربابِ دانش و دوستانِ عزیز!

صحت خدا کے بتائے ہوئے اصولوں ہی سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اصول ہمیں بازار سے مہنگے داموں خریدنے کی بھی ضرورت نہیں، ہم انہیں مفت میں حاصل کر سکتے ہیں۔ آج کے دولت مند انسان روپے پیسے کے بغیر کچھ لینے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، اور دولت مند آدمی اس مغرورانہ روش کو اختیار کرتے ہوئے خوب کھاتا پیتا اور موٹا ہو جاتا ہے، اور ایک وقت آتا ہے کہ اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ نتیجے کے طور پر بستر سے لگ کر رہ جاتا ہے۔ ایسی صحت کا کیا فائدہ جو ہمیں چلنے پھرنے سے معذور کر دے یہ صحت نہیں، صحت کا ستیاناس کرنے کے مترادف ہے۔

زینت کرسی بخش صدارت اور حاضرین گرامی منزلت!

صحت کے لئے ورزش کی کس قدر اہمیت ہے، اس سے ہر کوئی آگاہ ہے، ورزش صحت کے لئے ایک نہایت اہم چیز ہے، بلکہ اسے سب سے زیادہ اہم کہا جائے تو بھی بے جا نہ ہوگا۔ صبح کی سیر، گھڑ سواری، تلائی، باغبانی اور ایسے دیگر مشاغل نہ صرف دلچسپ ہیں بلکہ ہماری صحت کے لئے نہایت ضروری بھی ہیں۔ یہ سب کچھ صبح سویرے اٹھنے پر منحصر ہے موسم کوئی سا بھی ہو، صبح سویرے اٹھنا چاہیے ہم مسلمان ہیں اور ہماری تو عبادت میں بھی صحت کے اصول کارفرما ہیں۔ ہمیں صبح اٹھ کر وضو کرنا چاہیے، نماز پڑھیں اور پھر باہر سیر کو نکل جائیں۔ میل دو میل ضرور سیر کرنی چاہیے۔ جب آپ واپس گھر آئیں تو تھکاوٹ اتارنے کے لئے تازہ پانی سے نہائیں۔ غسل کے بعد ناشتہ کریں اور ناشتے میں ہمیشہ متوازن غذا استعمال کریں۔ بہت زیادہ ثقیل اور مرغن قسم کی غذائیں صحت کو برباد کرتی ہیں۔ اگر ہم ان چند اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو خدا کے حکم سے کبھی بیمار نہیں پڑیں گے۔

صدر عالی وقار!

میں پہلے بھی یہ کہہ چکا ہوں کہ صحت کے لئے محنت بہت ضروری ہے، اگر انسان واقعی اپنے آپ کو صحت منداور تندرست رکھنا چاہتا ہے تو محنت سے ہرگز جی نہ چرائے کیونکہ تندرستی اور محنت کا ساتھ ہے۔ دیہاتی لوگ غریب ہونے کے باوجود صحت مند رہتے ہیں اور شہری لوگ دولت تو رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود بیمار نظر آتے ہیں، ممکن ہے کسی ایک ملک میں یہ بات عجیب ہو لیکن کم از کم ہمارے پیارے ملک پاکستان میں یہی افسوسناک صورت حال دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہم اس صورت حال سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ امیر لوگ کھانے پینے کے ساتھ محنت کا کام بھی کریں، دولت مند اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کھاتے پیتے تو جی بھر کر ہیں لیکن محنت کرنے سے شاید ڈرتے ہیں، یہاں تک کہ محنت کرنے کو کسر شان سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ وہ کھاتے پیتے ہیں تو صحیح طور پر ہضم نہیں ہو پاتا اور کئی قسم کی بیماریاں انہیں آن گھیرتی ہیں۔ وہ ایک بیماری سے جان چھڑانے کے لئے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، دولت خرچ کرتے ہیں، ادویات استعمال کرتے ہیں، پرہیزی غذا کھاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک کے بجائے دو بیماریاں انہیں گھیر لیتی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولت سے صحت خرید سکتے ہیں لیکن یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے دولت سے اور تو سب کچھ خریدا جا سکتا ہے کم از کم صحت نہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

قدر صحت مریض سے پوچھو
تندرستی ہزار نعمت ہے

صدر والا تبار و حاضرین ذی وقار!

زندگی ایک انمول نعمت ہے، اس لئے اسے زندہ دلی سے جیا جائے، زندگی صرف ایک بار ملتی ہے، اس نعمت کا شکرادا کرتے ہوئے اسے نعمت کے طور پر استعمال کریں۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

دنیا میں غالباً کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوگا، جو مکمل ذہنی یا جسمانی تندرستی کا دعویٰ کر سکے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مکمل طور پر ذہنی یا جسمانی صحت سے محروم نہ ہو، ایک لحاظ سے ہم سب کسی نہ کسی حد تک صحت منداور کسی نہ کسی حد تک بیمار ہیں۔

صدر نشین!

تقریباً ہر معاشرے کی اٹھان اس طرح کی ہے کہ جو شخص اپنے غصے، ناراضگی، ناپسندیدگی، اس نوع کے دیگر جذبات کا برملا اظہار کر دے، اسے بلا ہچکچاہٹ ناشائستہ، غیر مہذب بلکہ وحشی تک کے القابات سے نواز دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے ان جذبات کو برملا ظاہر کرنے کے بجائے دبائے رکھے، اسے تہذیب و شائستگی کے نمونے کی حیثیت سے تعریف کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور ایسے طرز عمل کو ہم اچھے اور قابل تقلید کردار

کا خاصہ قرار دیتے ہیں۔

صدر ذی وقار واصحاب گرامی!

بات اگر جذبات کو دبا لینے پر ختم ہو جائے تو واقعی جذبات کا دبا لینا ایک قابل تعریف فعل قرار پا سکتا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ جذبات کو بظاہر دبا لینے کے بعد ہم ان کی قید سے آزاد نہیں ہو جاتے۔ یہ جذبات آکٹوپس کی طرح ہمارے ذہن پر مسلط رہتے ہیں۔ ہمیں ان جذبات کو نظر انداز کرنے یا ان پر قابو پانے پر اپنی کافی توانائیاں صرف کرنا پڑتی ہیں، اپنی عام خواہشات کے بارے میں بھی ہم اپنے معاشرتی بندھنوں اور تہذیبی تقاضوں کے پیش نظر یہی رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ہماری ساری توانائیاں اپنی خواہشات وجذبات کی طرف سے دھیان بٹانے کی کوشش میں صرف ہونے لگتی ہیں۔

صدر مکرم!

واقعہ یہ ہے کہ جب ایسے جذبات وخیالات کو دبا دیا جائے جن کا اظہار معاشرے کے نزدیک پسندیدہ نہیں تو پھر یہ جذبات اپنے اظہار کے لئے ایسا اسلوب اختیار کر لیتے ہیں جو معاشرے کے لئے قابل قبول ہو۔

جذبات وخیالات کا ہمارے جسم پر اثر ایک سادہ سی مثال سے واضح ہو جاتا ہے، کسی جذبے کے زیر اثر انسان کے چہرے پر سرخی دوڑ جانے کا عمل قطعی طور پر جسمانی ہوتا ہے۔

ارباب حکمت ودانش!

بالغ ہونے کے بعد ہر انسان سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنے کے بجائے اپنا سہارا خود بنے، لیکن ہر کسی سے یہ توقع پوری نہیں ہوتی، بالغ ہونے کے باوجود انسان کئی سہاروں کی تلاش میں رہتا ہے، اور ایک آسان سا طریقہ جس سے ایک بالغ انسان دوبارہ کسی کا سہارا لے سکتا ہے، بیمار پڑ جاتا ہے۔

جب ہم خوشی اور شادمانی سے سرشار ہوں تو سینہ تان کر ایک شان اور وقار سے چلتے ہیں لیکن پریشان ہوں تو چلتے وقت ہمارے شانے خود بخود جھک جاتے ہیں اور چلنے سے زیادہ یوں نظر آتا ہے کہ جیسے ہم خود کو گھسیٹ رہے ہیں۔ اس لحاظ سے جب ہمارے جذبات مسلسل ایک غیر حالت میں رہتے ہیں تو ہمارے جسم میں وہ تبدیلیاں پیدا کرنے کی صلاحیت بن جاتے ہیں جنہیں عرف عام میں جسمانی امراض کہا جاتا ہے۔

صدر عالی وقار!

ہمارا ذہن اگر پرسکون ہو تو اس سے غذا ہضم ہونے کے فعل میں بڑی مدد ملتی ہے۔ صورت حال برعکس ہو تو نظام ہضم تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ آج یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ معدہ کا سرطان ایک شخص کے ہمہ وقتی ذہنی ہیجان کا کرشمہ ہوتا ہے۔ ذہن کی مسلسل ہیجانی حالت سے اس کے معدی رطوبتوں کی ہیئت ترکیبی بدل جاتی

محترم حاضرین محفل!

انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے اور اپنی ضرورتوں کے تقاضے کے پیش نظر اس بات پر مجبور ہے کہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہے اور اس کے ساتھ تعلقات استوار کرے لیکن جن لوگوں کی جذباتی نشوونما بڑی عمر کو پہنچ کر بھی ادھوری ہی رہتی ہے، وہ دوسروں سے مل جل کر رہنے اور ان سے تعلقات استوار کرنے کے بجائے ان سے کتراتے ہیں اور اپنے ہی خول میں بیٹھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض تو اس بات کے عادی ہو چکے ہیں کہ اپنی خراب صحت کا بہانہ بنا کر سہاروں کی تلاش میں رہیں۔

صدر عالی وحاضرین گرامی!

خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو ہر طرح کی نعمتیں بخشیں۔ خدا نے انہیں ناک، ہاتھ، آنکھیں اور پاؤں بخشے تا کہ ہم ان کو کام میں لائیں۔ پاؤں سے چل کر منزل مقصود تک پہنچیں، خدا نے ہمیں آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ ہم ان سے دنیا کے حالات کو دیکھ سکیں کہ دنیا کس طرف جا رہی ہے، خدا نے ہمیں ہاتھ دیئے ہیں کہ ہم ان سے کام کریں اور روزی کمائیں۔ ہاتھ سے ہم کھانا اٹھا کر کھائیں اور جدوجہد کریں۔ اس دنیا میں کوئی کام اپنے آپ نہیں ہوسکتا، ہر کام کے لئے کوشش کرنا پڑتی ہے۔ باتوں سے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا، ہر بات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

احباب گرامی منزلت!

ہر کام کے لئے ہاتھ بڑھانا ضروری ہے۔ کھانا سامنے پڑا ہے، وہ کبھی خود بخود ہمارے منہ میں نہیں آسکتا جب تک ہم خود ہاتھ بڑھا کر اسے نہ اٹھائیں۔

یہ زندگی اللہ کا ایک انمول تحفہ ہے، اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ کی دی ہوئی اس نعمت سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں اس عظیم نعمت سے نوازا ہے۔

بچے من کے سچے

جگنو کو دن کی روشنی میں پرکھنے لگے
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

صدر مجلس وارباب حکمت ودانش!

میری آج کی تقریر کا موضوع ہے" بچے من کے سچے" ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہ ہم ہی ہیں جو اسے ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی بناتے ہیں۔ بچے معصومیت کی زندہ تصویر ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں کسی قسم کا بغض، عناد، کھوٹ، جھوٹ، چغل خوری کی عادت یا برائی کا عنصر موجود نہیں ہوتا۔ وہ من کے سچے ہوتے ہیں۔ وقت، زمانہ اور ہم سب مل کر یہ زہر ان کے دلوں میں انڈیل دیتے ہیں۔

صاحب عالی وقار!

اس کے باوجود بچوں کا دل پاکیزہ وصاف اور معطر ہوتا ہے، تلاش وجستجو کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوتا ہے، وہ کسی کی برائی نہیں چاہتے، ان کے دلوں میں نفرت کا پودا پروان نہیں چڑھتا، جھوٹ سے انہیں کوئی آشنائی نہیں ہوتی، وہ تو صرف سچ کے علمبردار ہوتے ہیں اور سچی بات ہی ان کے دل سے نکلتی ہے۔

صاحبانِ بصیرت!

ہمارے عہد کے بچے تو معصوم اور بھولے ہوتے ہیں، نہ ان میں تصنع یا بناوٹ پائی جاتی ہے، وہ جھوٹ بولنا نہیں چاہتے، دغا کسی کے ساتھ کرنا نہیں چاہتے، کسی کو دھوکہ دینا نہیں چاہتے، پھر کیا وجہ ہے کہ کچھ بچے اس عادت کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ ان عوامل کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں بڑوں کی عادات کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔

کبھی یوں ہوتا ہے کہ آپ سے کوئی ملنے کے لئے آجاتا ہے، آپ اس سے ملنا نہیں چاہتے اور فوراً بچے کو کہہ دیتے ہیں کہ کہہ دو، میں گھر پر نہیں۔ بچے حیران ہوتے ہیں، انہیں ایک دھچکا سا لگتا ہے کہ ایک طرف تو وہ خود ہی انہیں سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں اور دوسری طرف اب خود ہی انہیں جھوٹ کا راستہ دکھا رہے ہیں۔ یہ تضاد ان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ جھوٹ بولنا نہیں چاہتے، مگر مجبوراً جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اس میں قصور کس کا ہے۔ بچے کا یا پھر گھر کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ بچے بھی اس ماحول کو اپنا لیتے ہیں، وہ بھی اپنے بڑوں کو دیکھتے ہوئے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ جھوٹ کو کوئی بری بات نہیں سمجھتے اور پھر رفتہ رفتہ یہ عادت پختہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

صدر گرامی و حاضرین عالی!

آخر بڑے یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ ماحول بچوں کے اخلاق کو بگاڑنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ بچے تو من کے سچے ہوتے ہیں۔ پھر اس سچ کو ان کے دلوں سے کیوں اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ آخر ہم اپنی اس نسل کو کیوں بگاڑ رہے ہیں، ان کے اندر جو سچ کا پودا پروان چڑھ رہا ہوتا ہے، اس کی بیخ کنی کیوں کرتے ہیں۔ کیوں بچوں کو جھوٹ کی لذت سے آشنا کرتے ہیں، ان کے دلوں کی سچائی کو کیوں زنگ آلود کرتے ہیں، ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ معصوم بچے جن کے دلوں میں سچ کا بسیرا ہے، وہاں جھوٹ کے پرندے کیوں آباد کر دیتے ہیں۔

میر مجلس!

ہمارے عہد کے بچے، بہت ذہین ہیں، وہ اچھائی اور برائی کی تمیز کر سکتے ہیں، نفع و نقصان کو جانچ سکتے ہیں۔ ہر بات کو سچ کی کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں، انہیں ہر بات کا ادراک ہے، ان کے دلوں میں تو سچائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے، وہ حق بات کہنا چاہتے ہیں مگر ان کی سچائی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے، انہیں جھوٹ کے راستے پر ڈال دیا جاتا ہے، مگر بچے پھر بھی سچائی کا راستہ اختیار کرتے ہیں، مگر یہ سب والدین کی بات نہیں۔

صدر مجلس و ارباب حکمت و دانش!

بچوں کے دلوں میں ایک لگن ہوتی ہے، وہ اپنا راستہ خود تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے بھی کچھ خواب ہوتے ہیں، وہ ان خوابوں کو پورا ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ والدین، سرپرست اور بچوں کے دوسرے بڑے خاندان کے بزرگ عموماً بچوں کو مستقبل کے بارے میں اپنے اپنے طور پر سوچتے ہیں، انہیں قوی توقع ہوتی ہے کہ ان کا بچہ پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے گا اور بڑھاپے میں ان کا سہارا ثابت ہوگا۔ بچوں کے معاملے میں اس قسم کی توقعات رکھنا ایک فطری سی بات ہے، لیکن ایسی فطری خواہشات میں بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں بچہ پوری نہیں کر پاتا ہے جو بچوں کے اپنے رجحان یا پسند کے قطعی برعکس ہوتی ہیں۔

میر مجلس!

والدین بچے کو اپنی خواہشات و نظریات یا پسند کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ والدین جو کچھ اپنے لئے مستقبل کی خواہشات رکھتے تھے، اپنی زندگی میں ان خواہشات اور تصورات کو پورا نہ ہونے کی صورت میں وہی عکس اپنے بچے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہی کچھ اپنے بچے کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، جو ان کے تصورات میں اپنے عمل سے رنگ بھرنے میں ناکام رہتا ہے اور وہ خود بھی ذہنی بوجھ تلے دبتے چلے جاتے ہیں۔

صدر گرامی و ارباب علم و دانش!

والدین کے دل و دماغ میں یہ خواہش مضبوط ہوتی ہے کہ اکثر وہ پہلے ہی طے کر لیتے ہیں کہ وہ اپنے نوزائیدہ بچے کو ڈاکٹر، انجینئر یا چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ بنائیں گے، والدین اور عزیزوں، سرپرستوں کے لئے بچوں کے مزاج ان کا ذاتی رجحان سمجھے بغیر اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق ان کے مستقبل کا تعین کرنا بچوں کے لئے ہی نہیں خود ان کے لئے بھی کم نقصان دہ نہیں ہے۔

اسی طرح بچوں کی جسمانی اور ذہنی سطح کو سمجھے بوجھے بغیر ان سے خوف یا لالچ کی مدد سے ایسے کام کروا لینا مناسب نہیں ہے، جسے وہ کرنا نہیں چاہتا یا کر نہیں سکتا۔ بچے چونکہ من کے سچے ہوتے ہیں، وہ اپنے بڑوں سے سچ کہہ دیتے ہیں، مگر بڑوں کو یہ سچ کڑوا لگتا ہے، وہ بچوں کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں اور اسی تضاد میں بچے اپنی شناخت کھو بیٹھتے ہیں ان کے اندر کا سچ انہیں جھوٹ لگتا ہے۔ ان کے اندر کی سچائی مجروح ہو جاتی ہے اور یوں ان کی شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

صدرِ عالی مرتبت و حاضرین گرامی منزلت!

دنیا کا ہر بچہ اس فطرت میں یکساں مزاج رکھتا ہے، وہ ہر چیز کو خود چھو کر دیکھنا اور اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے کھلونے کو پوری طرح کھول ڈالتا ہے، وہ اس کے تمام پرزے الگ الگ کر کے پھر انہیں جوڑنا چاہتا ہے۔ اس عمل کے پیچھے بھی یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اس کھلونے کو کس طرح بنایا گیا یا وہ کھلونا کس طرح کام کرتا ہے۔ جب اس کی اپنی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تو وہ بڑوں کی مدد کا طالب ہوتا ہے اور والدین سے سوالات کر کے اپنی ذہنی تشفی کا خواہشمند ہوتا ہے۔

حاضرینِ محفل!

بچوں کا یہ تجسس کہ وہ ہر بات کی سچائی جاننا چاہتے ہیں، ایک قابل تحسین جذبہ ہے۔ والدین اپنے طور پر سوچتے ہیں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں وہ جو کچھ سوچتے ہیں، جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ قطعی درست ہے کیونکہ وہ والدین ہیں اور والدین سے زیادہ بچوں کا کوئی دوسرا خیر خواہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اپنے تجربات اور خیالات اور اپنے احساسات کو بچے کی زندگی کے لئے ایک معیار تصور کرنے لگتے ہیں۔ وہ بچے کے احساسات اور جذبات کو اپنے معیار کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں ایک حد تک تو یہ درست بھی ہے، مگر اس حد تک نہیں کہ بچہ نفسیاتی مریض بن کر رہ جائے، اور وہ زندگی کی دوڑ میں حصہ لینا چھوڑ دے یا سست پڑ جائے۔

یہ الگ بات کہ تعمیر نہ ہونے پائے
ورنہ ہر ذہن میں کچھ تاج محل ہوتے ہیں

صاحبِ صدر!

بچے اپنی زندگی خود تعمیر کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنے بڑوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس معاشرے کا اہم حصہ ہیں، وہ خود آگے بڑھنا اور کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں بھی منزل کی ایک تشکیل ہوتی ہے، وہ سچائی کے راستے پر چلتے ہوئے اپنی منزل کا تعین کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم بچوں میں پروان چڑھتے سچ کے پودے کی آبیاری کریں گے تو انشاء اللہ وہ ایک دن تناور درخت ثابت ہوگا۔ سچ سے بڑی دنیا میں کوئی قوت نہیں۔ سچ کو ختم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ سچ سے آپ ہر چیز کو ختم کر سکتے ہیں، ہمیں چاہئے ہم اپنی خواہشات کی صلیب پر بچوں کو مصلوب نہ کریں، ان کے اندر کے سچ کو پروان چڑھنے دیں، وہ جو کچھ بننا چاہتے ہیں انہیں بننے دیں۔

میرا قصور کیا ہے
سب نے بھلا دیا ہے؟
میں بھی ہوں ایک بچہ
عزم و عمل کا سچا
نسل جواں کا مظہر
قوم و وطن کا گوہر
لیکن غریب ہوں میں
لگتا عجیب ہوں میں
مزدور کا ہوں بیٹا
مجبور کا ہوں بیٹا
مزدور ہی بنا ہوں
لاچار ہو گیا ہوں
بے چین پھر رہا ہوں
ذلت میں گھر رہا ہوں
کسی نے نہ پوچھا؟
کیا حال ہے تمہارا؟
کیا ہے تمہاری خواہش؟
کیسی کرو گے کاوش؟
پڑھنے کی آرزو ہے؟
عظمت کی جستجو ہے؟
تم بھی تو کچھ بنو گے؟
دل میں ہے جو کہو گے؟
لیکن زمانہ چپ ہے
اپنا پرایا چپ ہے
ہر دم میں سوچتا ہے
قسمت کو کوستا ہوں
میرا قصور کیا ہے؟
سب نے بھلا دیا ہے؟

معاشرے میں طلباء کا کردار

سراپا علم و ہنر نوجواں
ترقی کی ہر رہگذر نوجواں
انہی سے ہے تعمیرِ قوم و وطن
شب تار میں رہیں سحر نوجواں

صدر عالی مرتبت وحاضرین گرامی منزلت!

طلبہ کل کے علمبردار اور مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، اسی طرح انہیں ہر قوم وملک میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے۔ پرانی نسل بجا طور پر نوجوان طالب علموں سے توقع رکھتی ہے کہ وہ ان کی طرح غلطیوں اور بزدلیوں کا مظاہرہ کرنے کے بجائے فکر وکردار کی سربلندی، وطن عزیز کی عظمت رفتہ کو بحال کرے گی، بقول شاعر:

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

اربابِ بصیرت!

کون نہیں جانتا کہ تحریک پاکستان میں طلبہ، پاکستان کا ہراول دستے تھے بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں طالب علموں کی مثالی خدمات سے دنیا آشنا ہے۔ اسی طرح روس، فرانس اور ترکی کے انقلابات اور انگلستان اور فرانس کے بیشتر انتظامی وسیاسی معاملات میں طلبہ کا کردار بہت نمایاں ہے جبکہ خود ہمارے خطۂ پاک یعنی پاکستان کی 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں عوام کو بیدار کرنے اور دفاعی فنڈ اور دیگر ضروری سامان جمع کرنے میں بے پناہ کام کیا ہے۔

ہزار بار زمانے کی سرد طاقتوں پر
چراغ خونِ جگر سے جلائے ہیں ہم نے

صدر عالی صفات، مہمانِ ذیشان اور حاضرین فیض انتساب!

واقعی طلبہ جوش و خروش اور عزم و عمل کا بحر بیکراں ہیں، جو ہر مخالف کو طوفان کی طرح بہا لے جاتے ہیں اور آخر کار ملکی مفادات کو نقصان سے بچالاتے ہیں، کسی صاحب علم نے کیا خوب کہا ہے:

"طلبہ بارودی سرنگ کی طرح ہوتے ہیں، جس طرح بارودی سرنگ پھٹ کر اپنے ارد گرد ماحول میں تباہی مچا دیتی ہے۔ اسی طرح طلبہ کے انتشار اور بدنظمی سے پورا نظامِ زندگی درہم برہم ہو جاتا ہے، لیکن اگر ان کی صلاحیتوں، قوتوں اور اجتماعوں کا قبلہ درست کر کے ان کی کردار سازی کی جائے تو وہ قوم وطن کی ترقی و کمال میں بہتر معاون ثابت ہو سکتے ہیں، بلکہ بعض طلبہ تو اس قدر ذہین و فطین اور ادب و اخلاق میں متین ہوتے ہیں کہ اپنی قوم کو دنیا میں متعارف کروا دیتے ہیں، جبھی تو کہا جاتا ہے کہ طلبہ اپنی قوم کے محافظ و نگران ہوتے ہیں"۔

اصحاب گرامی!

اس لئے طلبہ و طالبات کو چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں، اور وطنِ عزیز کی تعمیر و ترقی اور قوم کی خوشحالی کے لئے مدد معاون ثابت ہوں۔

اٹھ وطن کا بن مجاہد قسمیں بنائے جا
زندگی کی راہ میں زندگی لٹائے جا

سامعین با تمکین!

طلبہ کا اولین فرض حصولِ تعلیم ہے کہ یہی ان کی اصل شناخت ہے کیونکہ بے عملی اور ادھوری تعلیم ایک اناڑی کاریگر کی حیثیت رکھتی ہے اور نیم حکیم خطرۂ جان کے مصداق بنی بنائی بات بھی بگڑ جاتی ہے، جو طلبہ تمام تر توجہ تعلیم پر مرکوز رکھتے ہیں وہ اعلیٰ پائے کی ڈگریاں پا کر اچھے شہری اور اچھے پاکستانی بنتے ہیں کہ ارضِ پاک ایسے ہی نوجوانانِ ملت کی آرزو اور جستجو میں محوِ سفر ہے۔

صدر مکرم اور عزیز طلبہ و طالبات!

اصلاحِ معاشرہ کے لئے طلبہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان گنت محاذوں پر جنگ آزما ہو سکتے ہیں اور جن قوموں نے اوجِ کمال حاصل کیا ہے، ان کے طالب علموں نے ہمیشہ قومی تقاضوں اور وقت کی ضرورتوں کو سامنے رکھا ہے اور تعلیم کے علاوہ تربیت اور اصلاح کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

برادرانِ اسلام!

طلبہ ناخواندگی اور جہالت کے خاتمہ میں بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں اگر ایک طالب علم صرف ایک ان پڑھ شخص کو تعلیم دے دے تو یہ بہت بڑا قومی فائدہ ہے کہ اس سے 25 فیصد سے بڑھ کر 50 فیصد کے حساب سے خواندگی میں اضافہ ہو سکتا ہے، جس سے فکری اور عملی ترقی کے

امکانات روشن ہو سکتے ہیں، جبکہ ناگہانی آفات یعنی جنگ وجدل میں دفاعی فنڈ اور دیگر سامان جمع کرنے اور سیلاب، وباؤں اور قحط وغیرہ کی صورت میں فوری امداد اور رضا کارانہ خدمات سے ملک مزید خدشات اور خطرات سے بچ سکتا ہے۔

سامعین ذی حشم!

علاوہ ازیں منشیات اور آلودگی ایسی لعنتوں کے خاتمہ میں طلبہ کی عملی اور نظریاتی شرکت سے کافی خاطر خواہ نتائج میسر آسکتے ہیں، جبکہ دیگر سماجی اور اخلاقی برائیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتی ہیں نیز نظریۂ پاکستان کے فروغ اور سیاسی و فرقہ وارانہ تعصبات کے تدارک میں طلباء وطالبات کی مجاہدانہ سرگرمیاں سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی سے کم نہیں کیونکہ جب قومی سطح پر اتفاق اور اتحاد، ملی یگانگت اور بھائی چارے کی فضا قائم نہ ہوگی، قیام پاکستان کے ممکنہ خواب کی تعبیر نہیں مل سکتی، ہاں! ایک اہم بات یہ ہے کہ نہ تو طلبہ خود سیاست کے میدان میں کودیں اور نہ ہی نام نہاد سیاستدانوں کا آلہ کار بن کر اپنی اور ملکی زندگی داؤ پر لگائیں البتہ ان کی سیاست یہی ہے کہ وہ قومِ مسلم کو متحد ہونے کا درس دیں اور حب الوطنی کے مقدس جذبات کو پروان چڑھائیں تا کہ نظریہ پاکستان کو عملی صورت میں دیکھنے کی آرزو پوری ہو سکے اور اہل پاکستان بھی ایک بار اپنی آنکھوں سے امن وسلامتی کی پر بہار جنت سے لطف اندوز ہو سکیں۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
خودی میں ڈوب جا غافل! یہ ہی زندگانی ہے
نکل کر حلقہ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
مصاف زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں رہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا
ترے علم مروت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

ملاوٹ زہرِ قاتل

صدر والا تبار و حاضرین وقار!

مجھے آج جس موضوع کو الفاظ و معنی کے پیراہن پہنانے کا حکم ملا ہے، وہ ہے ''ملاوٹ زہر قاتل''۔ ملاوٹ کرنے والے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ناپسند فرمایا ہے، بلکہ یہاں تک فرما دیا گیا کہ ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ہم میں سے نہیں۔

برادرانِ ملت!

جس انسان نے لقمہ حلال کے علاوہ اور کچھ نہ چکھا ہو، وہ ملاوٹ جیسے گھناؤنے کام میں ہرگز ہرگز ملوث نہیں ہوتا۔ ملاوٹ کی بیماری ہمیشہ اس معاشرے میں پنپتی ہے، جہاں رزق حلال کا فقدان ہو۔ اگر کوئی انسان رزق حلال کا اسیر ہے تو وہ ملاوٹ جیسے زہر کو کبھی استعمال نہیں کرتا۔

صدر ذی وقار!

میں ملاوٹ پر اظہار خیال کرنے سے پہلے رزقِ حلال کے متعلق کچھ کہنا چاہوں گا۔

اللہ تعالیٰ جن کو دنیا میں پیدا فرماتا ہے ان کے لئے رزق کا اہتمام بھی کرتا ہے، البتہ اس کے حصول کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا انسان کا فرض ہے۔ بلکہ رزقِ حلال کو عین عبادت کہا گیا ہے، نیز دین اسلام میں رزق کو فرض کا درجہ دیا گیا ہے۔ گویا نیک کمائی ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ سورہ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

اس سورہ کی آیت نمبر 172 میں فرمانِ الٰہی ہوتا ہے:

''اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو''۔

محبوبِ خدا روحِ قرآن پیغمبر اسلام نبی خیر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک حدیث پاک میں حلال روزی کو فرض قرار دیا:

''حلال روزی کی تلاش عبادت کے بعد فرض ہے''۔

اربابِ دانش!

گویا عبادت کی طرح حلال روزی بھی ایک اہم فریضہ ہے جس کی بجا آوری اصل ایمان کا وطیرہ ہے جبکہ حرام کا مال ناجائز ہے۔ سورہ

البقرہ کی آیت نمبر 188 میں حکم ہے:

''حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا ہے''۔

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''جس شخص کا کھانا پینا اور پہننا حرام کا ہو، اس کی دعا اور عبادت کیسے قبول ہو سکتی ہے؟''

الغرض رزقِ حرام نہ صرف عبادت کو ضائع کر دیتا ہے بلکہ انسان کو دوزخ کا لقمہ بھی بنا دیتا ہے، یہی نہیں اس ناجائز فعل سے معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے، اور جس معاشرے میں ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، چوری وڈکیتی، سود خوری، جوا بازی، ذخیرہ اندوزی، قتل و غارت گری، منشیات فروشی، ملاوٹ اور دھوکہ دہی ایسے ناجائز ذرائع سے آمدنی رواج پکڑ جائے تو اس کی تباہی و بربادی یقینی ہے کہ ہر مرد و زن کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ جو ادھر ادھر سے مال جمع کرتے یا ملاوٹ کرتے ہیں اور غلط طریقے سے بچوں کو رزق کھلاتے ہیں، بلاشبہ مختلف پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی اولاد بھی نافرمان اور بدکردار بن جاتی ہے۔ آخر جو بوئیں گے وہی کاٹیں گے۔

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

صدر عالی صفات، مہمان ذیشان اور حاضرین فیض انتساب!

اس کے مقابلے میں جائز کمائی سے نہ صرف دلی و روحانی طور پر سکون اور ذہنی و جسمانی اعتبار سے آرام نصیب ہوتا ہے بلکہ چہرے پر طمانیت اور بالیدگی کے آثار بھی نمایاں رہتے ہیں کہ صبر و قناعت ایک ایسی دولت ہے جس کا نعم البدل دنیا میں نہیں ہے، بلکہ یہی شانِ فقیری اور جانِ قلندری ہے کہ اس راستے سے گزر کر مردِ مومن کا مقام حاصل ہوتا ہے گویا۔

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

حاضرین باتمکین!

تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے محبت و شفقت، امانت و دیانت اور صبر و قناعت کا مظاہرہ کیا، معاشرے کے لئے سکھ اور امن کا پیغام بن گئے، بلکہ انہی نیک بندوں نے انسانیت کو چار چاند لگائے اور دنیا سے برائیوں اور بداعمالیوں کا خاتمہ کیا۔ بیشتر مقامات پر اسلام کے پھیلنے کی وجہ عرب تاجروں کی ایمانداری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر صحابہ کرامؓ اور آئمہ اطہار سے لے کر مسلمان سلاطین عظام تک رزق حلال کی مثالوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ اگر ہمارے اسلاف کو اپنی کمائی میں ذرہ برابر بھی حرام کا شائبہ گزرتا تو اسے ہاتھ تک نہ لگایا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے ملازمین نے ناقص کپڑے کا تھان بھی فروخت کر دیا ہے تو جب تک گاہک کو قیمت واپس نہ کر دی سکھ کا سانس نہ لیا۔

پیش سرکار اے لب نہیں کھلتے حافظ
مجھ کو اس ذاتِ گرامی سے حیا آتی ہے

برادران ملت!

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء تاجر تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی تجارت کرتے بلکہ بھیڑ بکریاں پالتے، اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، گھر میں اپنی زوجہ محترمہ کا ہاتھ بٹاتے، بازار سے سودا سلف لے آتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھاڑو دے کر گھر کی صفائی کی بلکہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیر اور جنگِ خندق کے موقع پر خندق کھودنے میں بھی عار محسوس نہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو تلاشِ رزق کے ناطے یہودیوں کی مزدوری سے بھی گریز نہ کیا۔

قرآن شاہد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتیاں بناتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام لوہے کا کام کرتے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے بلکہ کوئی نبی یا ولی ایسا نہیں ہے جو بغیر محنت وکسب حلال کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہو، نہ انہیں امداد و معاونت پسند تھی اور نہ ہی غصب کا مال زیبا تھا بلکہ خون پسینے کی کمائی ان کی عزت افزائی اور پارسائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

حاضرین محفل!

مغل شہنشاہوں نے بھی قرآن پاک کتابت کر کے اور ٹوپیاں سی سی کر نہ صرف حکمرانی کے فرائض ادا کیے بلکہ خانگی معاملات بھی نپٹائے جبکہ بڑے بڑے دانشوروں اور مفکروں نے قانون دانی، معلمی، طب وجراحت اور تجارت سے کسب حلال کی اہمیت کو بڑھایا نیز دنیا کی بڑی بڑی عمارات، مفلس مگر ایماندار طالب علموں کی محنت شاقہ کا نتیجہ کے کرشمے ہیں، بھلا ان سب باتوں کے بعد رزقِ حرام یا ذخیرہ اندوزی یا پھر ملاوٹ کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے۔

ملاوٹ کرنے والے جہاں نہ صرف لوگوں کی زندگیوں اور جانوں سے کھیلتے ہیں بلکہ وہ تو اپنے لئے حرام کا رزق بھی فراہم کرتے ہیں اور جہنم کے لئے ایندھن کا سبب بھی بنتے ہیں۔ اگر خالص اشیاء میں ملاوٹ کی جائے تو حفظانِ صحت کے اصول متاثر ہوتے ہیں انہیں استعمال کرنے والا نہ صرف اپنی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے بلکہ بعض اوقات تو اپنی زندگی کو ہار دیتا ہے۔

صدر گرامی وارباب حکمت ودانش!

اگر ملاوٹ غذا میں کی جائے تو بہتر غذا ناقص ہو جاتی ہے اور انسانی صحت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے اور اگر ملاوٹ ادویات میں کی جائے تو اس سے انسانی زندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ملاوٹ چاہے غذا میں ہو یا ادویہ میں ہر دو طریقے زہر قاتل ہیں، ملاوٹ کرنے والے نہ صرف لوگوں کی صحت تباہ کر دیتے ہیں بلکہ ان کی زندگیوں سے بھی کھیلتے ہیں جس معاشرے میں ملاوٹ کی برائی جڑ پکڑ لے وہ معاشرہ تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ وہاں کے باشندوں کی صحت تباہ ہو جاتی ہے، وہ لاغر ونحیف ہو جاتے ہیں، آئے دن بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ خود اپنے لئے تو بوجھ بن ہی جاتے ہیں

دوسروں کے لئے بھی وبالِ جان بن جاتے ہیں۔

ملاوٹ شدہ ادویات کے استعمال سے بیمار زندگیوں سے محروم ہو جاتے ہیں، کچھ اپنی صحت تباہ کر بیٹھتے ہیں۔ میرا بس چلے تو ملاوٹ کرنے والوں کو سرِ عام دار پر لٹکا دوں، جو محض دولت کی ہوس میں انسانی زندگیوں اور ملک وملت کی تباہی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

میر محفل!

اگر انسان کے دل میں رزق حلال کی تمنا ہو تو وہ رزقِ حرام کی طرف کبھی مائل نہیں ہو سکتا۔ ملاوٹ رزقِ حرام کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، یہ لوگ ملک وقوم کے تو دشمن ہیں ہی اللہ کے ہاں بھی سخت ناپسندیدہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔

دینِ اسلام نے جہاں رزقِ حلال کے حصول کو عبادت بلکہ فرض قرار دیا ہے، وہاں اس کے جائز اور ناجائز ذرائع کا بھی تعین فرمایا ہے۔ قرآن وحدیث میں ایسے لاتعداد پیغامات ملتے ہیں جن سے حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے، اور ان کی جزا وسزا کی وعید ملتی ہے۔ اسلام میں نہ صرف زراعت وکھیتی باڑی، شکار، تجارت، ملازمت اور صنعت وحرفت کو جائز ذرائع گردانا گیا ہے، بلکہ ان کے پست وبلند معیار کا بھی تعین کیا گیا ہے جبکہ سود، رشوت، گداگری، سمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، آلات منشیات اور ملاوٹ ایسی حرام چیزوں کی خرید وفروخت یا کسی بھی طور ان سے نفع حاصل کرنے کے طریقوں کی حوصلہ شکنی اور ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ ان ذرائع سے انفرادی بے راہ روی کے علاوہ معاشرتی بگاڑ اور قوموں کی تباہی کے امکانات پیدا ہوتے ہیں، جو ایک ناقابلِ معافی جرم ہے۔

دوستانِ عزیز!

اس اہمیت کے پیشِ نظر فرداً فرداً عنوانات کو زیرِ بحث لانے سے بہتر ہے کہ مذکورہ چیزوں کے حوالے سے چند ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کر دیئے جائیں تاکہ کسبِ حلال کا تقدم واضح ہو۔

"رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں"۔

"دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے"۔

"جو شخص چالیس روز تک غلہ روکے رکھے گا وہ ملعون ہے"۔

میر محفل!

اس کے برعکس امانت ودیانت کے حامل محنتیوں کے لئے بلند درجات کی بشارت ہے۔

"سچا اور امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے دن شہدائے کے ساتھ ہوگا"۔

"عبادت کے ستر (بکثرت) طریقے ہیں، ان میں سب سے اچھا حلال روزی ہے"۔

"محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے"۔

"جو شخص چالیس روز تک حلال روزی کھاتا ہے جس میں حرام کا ذرہ برابر آمیزش نہ ہو تو اللہ اس کا دل نور سے بھر دیتا ہے، اس کے دل سے حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں"۔

''بہترین عمل حلال روزی ہے''۔

میر مجلس واصحاب عالی!

الغرض حلال روزی سے دل میں خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے، جس سے نیکو کاری کا جوہر عطا ہوتا ہے۔ صدق وامانت سے عزت ملتی ہے، طمع و ہوس سے گریز ہوتا ہے، اور صبر وقناعت سے دل غنی ہوتا ہے بلکہ فضول خرچی اور اسراف سے اقتصادی ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں اور جوان برائیوں سے بچا رہتا ہے اسے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان مرد وزن کو چاہئے کہ وہ قدم قدم پر حلال وحرام کا خیال رکھے نہ کہ ذرہ بھر کوتاہی سے اپنی دنیا بلکہ عاقبت کو بھی غارت کرلے جیسا کہ فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''جس شخص کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ مال کہاں سے آرہا ہے تو اس کے بارے میں اللہ کو بھی پرواہ نہیں کہ اسے دوزخ کے کون سے حصے میں جھونک دیا جائے''۔

جناب صدر وحاضرین والا تبار!

ان مشاہدات وتعلیمات کی روشنی میں آج کے انسان کے حصولِ رزق پر شرم آتی ہے۔ جبکہ والدین اور بیویاں گلچھرے تو اڑاتی ہیں، لیکن یہ کبھی دریافت نہیں کرتیں کہ گھر میں دن رات دولت کی دیوی مہربان کیوں رہتی ہے؟ اور آئے دن کارخانے، کوٹھیاں، گاڑیاں اور بینک بیلنس کس طرح بڑھ رہے ہیں؟

اے کاش! ہم دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جائیں اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ حلال طریقوں سے پالیں۔

جو لوگ مال میں ملاوٹ کرتے ہیں، ہمیں ان کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے، ملاوٹ کرنے والوں کو یہ بات سوچنی چاہئے کہ اس ملاوٹ کا شکار تو ہم بھی ہو سکتے ہیں اس کی وجہ سے ہم پر بھی تو کوئی آفت آسکتی ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم عتاب الٰہی کا بھی شکار ہو سکتے ہیں۔

ملاوٹ ایک زہر ہے، جو بنی نوع انسان کا قاتل ہے، اے ملاوٹ کرنے والو اپنے گریبانوں میں جھانکو اور دیکھو کیا تمہارے دل اس قدر سیاہ ہو چکے ہیں کہ تم حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھے ہو، کیا تم رزقِ حلال کا ذائقہ بھول چکے ہو۔ کیوں...... آخر کیوں تم لوگ انسانیت کے قتل میں ملوث ہو۔ خدا کے لئے اپنی ان گھناؤنی حرکتوں سے باز آجاؤ، اپنی آنے والی نسل پر رحم کرو، ان سے جینے کا حق تو نہ چھینو، تم انہیں کس جرم کی سزا دے رہے ہو، تمہاری تجوریوں کے پیٹ تو کبھی نہ بھریں گے، ہاں تم انسانی لاشوں سے زمین کا پیٹ ضرور بھر دو گے۔

تم روزِ محشر خدا کو کیا جواب دو گے، کیوں اپنی عاقبت خراب کرنے پر تلے ہوئے ہو، اب بھی وقت ہے تائب ہو جاؤ، اپنے اللہ سے معافی مانگ لو، وہ تو بڑا غفور الرحیم ہے، وہ معاف کرنے والا ہے۔ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے، اس کی کوتاہیوں سے درگزر کرنے والا ہے، ابھی وقت ہے، آؤ اور اپنے گناہوں کی توبہ کرلو۔

میری پہچان...... پاکستان

یوں رابطہ ہے اپنا، نگارِ وطن کے ساتھ
ہوتا ہے جیسے گل کا، تعلق چمن کے ساتھ
رنجیدہ تجھ کو دیکھا ہے، جب بھی تو میں
بل کھا گیا ہوں تیری، جبیں پر شکن کے ساتھ
ہر حال میں رہا ہوں، رواں تیرے ساتھ
بیٹھا نہیں توڑ کے پاؤں تھکن کے ساتھ
رکھا سدا بنا کے، تیرا پیار حرزِ جاں
چاہا مدام میں نے تجھے، اک لگن کے ساتھ

صدرِ فیض ترجمان وحاضرین ذیشان!

انسان اپنے وطن سے جانا پہچانا جاتا ہے کہ بے وطن نہ کوئی شناخت رکھتا ہے اور نہ ہی کہیں کوئی اس کا بارِ ضمانت اٹھاتا ہے، جیسے کرائے دار سے ہم راہ ورسم بھی اہلِ محلّہ کو گوارہ نہیں ہوتی، بلکہ خود بے گھر شخص بھی عارضی قیام پر اکتفا کرتا ہے، کیونکہ اسے خبر ہوتی ہے کہ آج نہیں تو کل ضرور رہائش سے محروم کر دیا جائے گا۔

بقول شاعر

کیا بھروسہ ہے کرائے دار کا
اب نہیں تو جب، چلا وہ جائے گا
بے گھری کا شادا کھٹکا ہو جسے
کیا خوشی کے رمز سے، وہ گائے گا

صدرِ مکرم!

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں اپنا گھر، اپنا آزاد اور خود مختار وطن اسلامی جمہوریہ پاکستان میسر ہے، گویا بے گھروں کو جائے

امان اور بے بسی کی چلچلاتی دھوپ میں سائباں میسر ہے، شاعر نے جس کے ٹھنڈے میٹھے سائے کو یوں زبانِ شعر دی ہے کہ:

مری پہچان پاکستان
میرا ایمان پاکستان
مری ہے آن پاکستان
رہِ نصرت کی منزل میں
مرا سامان پاکستان
مری عزت اسی سے ہے
مرا عرفان پاکستان
غموں کی بھیڑ میں ہے شاد
مرا پرسان پاکستان

اصحاب محفل!

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہم اس کی عنبر بار فضاؤں میں سانس لیتے ہیں، ہم اس کے فلک بوس پہاڑوں کی رفعتوں سے حظ اٹھاتے ہیں۔ ہم اس کے گھنے جنگلوں کے نظارے کرتے ہیں، ہم اس کے وسیع وعریض صحراؤں کے کھلے بازوؤں میں جھولتے ہیں کہ اگر دن کو اس کے آفتاب درخشاں کی روپہلی کرنوں سے فکر ونظر کو منور کرتے ہیں تو شب تاریک کے سناٹوں میں چاند ستاروں کی شیریں ضیاء باریوں سے کیف وحسرت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ غرض

اے وطن! تیری فضا کتنی بھلی ہے
جنت سے بھی پیاری، تری ایک ایک گلی ہے

بلکہ

جنت سے کہیں بڑھ کے حسیں میرا وطن ہے
ہمسر ہے فلک کی جو زمیں میرا وطن ہے

حاضرین باتمکین!

اب ہمیں کوئی منع کرنے والا نہیں ہے کہ ہم کہاں رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں، گویا سبھی اپنے گھر کے افراد کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ غلام ہوتے تو کسی کے سامنے آنکھ اٹھانا تو درکنار سانس لینا بھی دشوار ہوتا جیسا کہ متحدہ ہندوستان میں الٹا ہمیں اچھوت سمجھا جاتا تھا۔ ذرا ایک لمحے کے لئے سوچیے کہ اگر ہم پاکستان ایسی نعمت عظمیٰ سے فیض یاب نہ ہوتے اور انگریزوں سے کھچاؤ اور ہندوؤں کے دباؤ میں

ہوتے تو ہم پر کیا بیت رہی ہوتی۔ یہ اکابرین ملت اور رہنمایانِ قوم خصوصاً سر سید احمد خان سے پہلے اور ان کے بعد کے عمائدین و زعماء کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمیں اپنی شناخت ملی اور پاکستان ہماری مستقل پہچان بن گیا۔

صدر محترم و حاضرین مکرم!

اگر ہمیں سر سید احمد خان قومی تشخص نہ دیتے تو شاید کتنے "غدر" اور پلے پڑ جاتے اور ہم آہستہ آہستہ ملیامیٹ ہو جاتے جیسا کہ حریفان اسلام کے ناپاک عزائم سے ظاہر تھا۔ ہمارے قائد بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے اس صورتحال کو بھانپتے ہوئے، وہ بے مثال جدوجہد کی کہ انہوں نے اپنے ساتھ مجاہدوں کی ایسی ٹیم تیار کرلی کہ 1857ء کی جنگ آزادی (جسے برطانوی غدر کا نام دیتے تھے) کی شکست کا بدلہ لے لیا، ورنہ ہم یہ بھی بھول چکے تھے کہ ہم مسلمان بھی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ہم نے اپنی ثقافت، ہندو تمدن میں مدغم کر دی تھی اور ستم بالائے ستم یہ کہ عیسائیوں کی جدید تہذیب اپنا رنگ دکھا رہی تھی جس پر مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ اقبال اور محسن ملت قائداعظم بہت رنجیدہ اور ہمیں اپنی حیثیت کا احساس دلانے پر بے حد سنجیدہ تھے

ہر دل مند دل کو رونا میرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

اس ضمن میں حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبال کے دیگر پیغامات کے علاوہ ان کے 1930ء کے الہ آباد کے صدارتی خطبہ پر یہ اقتباس ہی کافی ہے:

"میرا یہ مطالبہ ہے کہ ہندوستان اور مسلمانوں کے مفاد کی خاطر ملت اسلامیہ کے لئے علیحدہ وطن بنایا جائے، ہندوستان کے لئے یہ نیا وطن داخلی توازن حکومت کے باعث امن اور تحفظ کا علمبردار ہوگا، اور مسلمانوں کو اس سے تعلیمی، ثقافتی اور مذہبی اقدار کو اپنانے کا بہترین موقع ملے گا اور وہ اپنی زندگیوں کو اسلامی اقدار اور ہدایت کے قالب میں ڈھال سکیں گے"۔

ارباب دانش!

اس طرح بابائے قوم نے 23 مارچ 1940ء کے مسلم لیگ کے تاریخ ساز سالانہ اجلاس میں کی جانے والی صدارتی تقریر میں اس پہلو کو یوں بیان فرمایا:

"اسلام اور ہندو دھرم، محض مذاہب ہی نہیں بلکہ در حقیقت دو دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہئے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے"۔

گویا ہمارا ایک الگ وطن کا مطالبہ محض اپنی الگ شناخت اور اپنے ثقافتی ورثے یعنی اپنی روایات کے تحفظ کا ذریعہ تھا، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہمارا ہر باشندہ پاکستانی کہلانے میں فخر و مسرت محسوس نہ کرتا۔

برادرانِ ملت!

خدا کا خاص کرم ہے کہ ہم سب پاکستانی ہیں نہ کہ سندھی، بلوچی، سرحدی اور پنجابی ہونے پر نازاں ہیں۔ہم ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں کہ آغوشِ مادر کی نعمت غیر مترقبہ ہی ہمارے دکھوں کا مداوا ہے۔ ہماری زبان ایک ہے، ہمارا لباس ایک ہے، ہمارا آئین ایک ہے، حتیٰ کہ قرآن ایک ہے، ہم متحد ہیں، ہم سب ایک ہی عمارت کی اینٹیں ہیں، ہم ایک ہی سمندر کی لہریں اور ایک ہی گلستان کے پھول ہیں کیونکہ ہمارے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہیں۔ بلاشبہ ؎

اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں ہم ایک ہیں
اپنی خوشیاں سانجھی ہیں، غم ایک ہیں ہم ایک ہیں

اربابِ دانش!

ہم کسی بیرونی ملک میں قیام پذیر ہوں تو ہمیں پاکستانی جانا جاتا ہے۔ سندھی یا بلوچی، سرحدی یا پنجابی نہیں۔ پاکستانی اور صرف پاکستانی کہا جاتا ہے، ہمارے کارہائے نمایاں کسی پشتو یا پنجابی بولنے والے کی میراث نہیں ہیں بلکہ اردو بولنے والے پاکستانیوں کی شناخت ہیں۔ ہماری معرکتہ الآرا سرگرمیاں کسی فعل یا کاشمیری اور آرائیں یا درزی ایسے برادری کے لیبل کی مرہونِ منت نہیں ہیں بلکہ ہماری خدمات جلیلہ پاکستان کی وجہ سے نمایاں ہیں۔ ہمارا نام، انعام اور مقام صرف پاکستان ہے۔ دنیا میں سربلند ہونے والا جھنگ کا ڈاکٹر عبدالسلام ہو یا ڈاکٹر عبدالقدیر خان، پاکستانی ہے، کراچی کا عبدالستار ایدھی ہو یا میانوالی کا عمران خان، صرف پاکستانی ہے۔

مہمانانِ ذی شعور!

جب اہل جرمن جرمنی، اہل فرانس فرانسیسی، اہل امریکہ امریکی، اہل برطانیہ برطانوی اور اہل ہند ہندی کہلانے میں فخر و ناز محسوس کرتے ہیں تو کیوں ہم اہل پاکستان، پاکستانی کہلوانے میں اعزاز محسوس نہ کریں۔ جس طرح ایرانی اپنے دیس پر نازاں، عراقی اپنے وطن پر فرحاں اور مصری اپنی سرزمین پر شاداں ہیں، اسی طرح ہمیں بھی پاک سرزمین کی محبت میں رقصاں ہونا چاہئے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ ہم استحکام وطن کی خاطر پاکستانی کہلانے کے نہیں، سرحدی، بلوچی، سندھی یا پنجابی بننے کے خواہاں ہیں، بلکہ پختون خواہ اور سندھو دیش بنانے کے درپے ہیں اور آئے دن علیحدگی کی رٹ لگاتے رہتے ہیں، جس سے سالمیت وطن کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ ہماری اسی خودغرضی بلکہ وطن سے بے مروتی نے دشمنوں کو یہ موقع فراہم کیا ہے وہ وقتاً فوقتاً ہمارے دیس کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے ثقافتِ پاکستان کو غرقِ دریا کر دیا ہے۔ خدانخواستہ اگر ہم نے اپنی قومی سالمیت کو بھلا دیا تو روحِ قائد کو کیا جواب دیں گے؟ شاید یہی کہہ دیں گے کہ ہم شرمندہ ہیں، جیسا کہ ہماری عادت ہے۔

اے کاش!

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ ترے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں ہے

صدرِ مکرم، مہمان معظم اور حاضرین محترم!

ہمیں اپنے دیس، اپنی ماں کو ادب و پیار دینا چاہئے کہ وطن کے در و دیوار ماں کی چادرِ عصمت کی طرح مقدس ہیں۔ اس کا نظریہ ماں باپ کے عقیدے اور ایمان کی صورت جگمگاتا ہے، ہمیں اپنے والدین کو جھٹلانا نہیں چاہئے کہ ایسی گستاخ اولاد کو کوئی صحیح النسل قرار نہیں دیتا۔

آج ہمیں کراچی، لاہور، اسلام آباد، فیصل آباد کے بجائے نیویارک، پیرس، ماسکو، مانچسٹر اور دہلی اپنے لگتے ہیں۔ حمد و نعت نہیں پاپ موسیقی پسند ہے۔ اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کے بجائے فلسفہ اور نفسیات درکار ہے اور دل میں اردو ادب کے بجائے انگریزی کی پکار ہے۔ اقبال یا قائد نہیں ماؤ یا لنکن مرغوب ہے، پنجاب یونیورسٹی کے بجائے آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی مطلوب ہے بلکہ ہمارا کپڑا ہے تو جاپان کا، سامان ہے تو چین کا حتیٰ کہ پان ہے تو ہندوستان کا، کیا کچھ بھی ہمارا اپنا نہیں ہے؟ ہم اپنے دیس کے باسی نہیں ہیں؟ یہ ہمارا وطن نہیں ہے؟ ہم پاکستانی نہیں ہیں؟

کوئی ہے جو یہ سوچے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم کیا تھے اور کیا بن گئے ہیں؟ ۔

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اربابِ گرامی!

یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ ہم پاکستان کے باشندے ہیں، ہمیں یہیں سے رزق ملتا ہے اور یہیں ہمارا سائبان ہے کہ ہم اس کے سائے تلے سکھ کا سانس لے رہے ہیں، اس سے محبت کا ثبوت نہیں دیتے اور نہ ہی اس کی خدمت کو شعار بنانا اپنا ایمان سمجھتے ہیں، حالانکہ حب الوطنی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، نیز آئے دن کرتے ہیں اور ہر جگہ کرتے ہیں۔

اس کے برعکس ہر ملک کے عوام اپنی اپنی قومیت کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں، بلکہ چین و جاپان، صنعت و حرفت، امریکہ و برطانیہ سیاسی و مادی طاقت، کویت و دبئی معیشت، ایران و عراق دفاعی قوت اور روس و ہندوستان اپنی تمدنی حیثیت میں ترقی کر رہے ہیں اور ہم خاکم بدہن کرپشن میں بامِ عروج کو چھو رہے ہیں کہ خود صاحبانِ اقتدار کا اعتراف ہے کہ ہم کرپشن میں دنیا میں دوسرے نمبر پر آ گئے ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی زبان، اپنے لباس اور اپنی تہذیب و ثقافت کے دلدادہ ہو جائیں نہ کہ غیر ملکی اور غیر اسلامی اقدار و روایات کو گلے کا ہار بنا لیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہماری قومی زبان اردو ہے، انگریزی بولنے، سننے اور پڑھنے پڑھانے پر نازاں ہیں۔ حیرت ہے کہ ہمارا ازلی دشمن ہندوستان تو اپنی زبان کو ہندی کہے اور ہم پاکستانی اپنی زبان کو پاکستانی کہنا بھی گوارہ نہیں کرتے اس کو اپنانا تو دور کی بات ہے، لباس ہے تو شلوار قمیض کو دیہاتی پن کی علامت سمجھتے ہیں اور ٹوپی کا استعمال شاید صرف علماء اور نمازیوں کے لئے ناگزیر جانتے ہیں۔

افسوس صد افسوس!

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

معزز سامعین محفل!

دنیا جہاں کو قیادت وسیادت کا فریضہ سنبھالنے والی قوم مسلم، صرف ذہنی طور پر ہی نہیں جسمانی لحاظ سے بھی غلام ہوتی جا رہی ہے، پاکستان جو ہماری پہچان اور عزت کا نشان ہے، دہشت گرد ملک قرار پا رہا ہے، نہ اس کی معیشت ہے نہ معاشرت، نہ کہیں رعب ہے نہ عزت، گویا

یہ گھڑی محشر کی ہے اور تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل! عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اس کی وجہ ہماری بے حمیتی ہے، ہم لسانی تعصبات، صوبائی تنازعات، برادری ازم اور فرقہ وارانہ جذبات میں اندھے ہو گئے ہیں۔ بھائی، بھائی کو کاٹ رہا ہے۔ باپ بیٹے کے خلاف ہے، بہن برادر کو کوس رہی ہے، ماں بیٹی کو پیٹ رہی ہے، شوہر ہے کہ بیوی کو، وطن دشمن کہتا ہے اور بیوی ہے تو شوہر کو اسلام دشمن سمجھتی ہے۔ غرض آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ کوئی کسی کا نہیں، کوئی اپنا نہیں، کوئی وطن کا نہیں، کوئی پاکستانی نہیں۔

آخر یہ خاک وخوں کے سمندر کسے گوارہ۔ 1947ء میں جس خاک وخون کے سمندر کو پار کر کے اپنے وطن پاک میں سر چھپایا تھا، کیا وہ حادثات بھول چکے ہیں؟ ابھی کسی اور خون خرابے کی ضرورت ہے؟ نہیں، نہیں!! ہم نمک حرام نہیں ہیں۔ ہم اس دیس کو جلنے نہیں دیں گے۔ ہم اسے کشمیر اور فلسطین بننے نہیں دیں گے بلکہ پاکستان کو پیارا پاکستان اور دنیائے اسلام کا سہارا پاکستان بنائیں گے کیونکہ یہ ہماری شناخت ہے، ہماری پہچان ہے، ہمارا ایمان بلکہ ہماری جان ہے۔

وطن کی آن پہ اپنا لہو بکھیریں گے
ہر ایک ظلم کی آندھی کے رخ کو پھیریں گے
ہر ایک کوچہ و بازار کے مکیں کو سلام
اے مرے پاک وطن! تیری سرزمیں کو سلام

❁

تعمیرِ وطن میں نئی نسل کا کردار

قوم کی طاقت، نسل جواں ہے
دیس کی عزت، نسل جواں ہے
آنکھ کا تارا، دل کا سہارا
بازوئے ہمت، نسل جواں ہے
شاد! یہی ہے، ورثہ اپنا
اپنی حمیت، نسل جواں ہے

صدر گرامی منزلت وحاضرین عالی مرتبت!

یوم آزادی کے مبارک موقع پر استحکام وطن کے حوالے سے منعقدہ آج کی عظیم الشان اور یادگار کانفرنس میں، میں نے اظہار خیال کے لیے جو موضوع چنا ہے، وہ ہے "تعمیر وطن میں نئی نسل کا کردار"۔

صدر ذی حشم!

نئی نسل کسی بھی قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی بلکہ شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے، کہ یہی نوجوان برادری اپنے ملک کی تعمیر وترقی اور ہم وطنوں کی خوشحالی میں بہترین کردار ادا کرتی ہے۔

دنیا میں جتنی بھی قومیں باوقار اور امتداد زمانہ سے برسرپیکار ہیں ان میں نسلِ نو ہراول دستہ کا کام دیتی ہے، اس لئے نوجوانوں کو مستقبل اور آنے والا کل کہا جاتا ہے۔

یہی حال و ماضی ہے، کس بل ہمارا
کہ ہر نوجواں ہے، حسیں کل ہمارا

تاریخ عالم شاہد ہے کہ کائنات کی تمام بڑی تحریکیں اور انقلابات انہی جوانوں کے عزمِ جواں، بازوئے ہمت اور جذبۂ قربانی کا کرشمہ ہیں، بلکہ ان کا ولولہ تازہ اور خون گرم بڑے بڑے مفکروں، عالموں، سیاستدانوں اور بے عمل سلفیوں کو بھی میدانِ عمل میں لے آیا، اور حریت فکر وعمل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر یوں امڈ آیا کہ منزلِ مراد، ان کے قدموں کو بوسہ دینے پر مجبور ہوگئی۔

خونِ جگر سے ہم نے رستے اجال ڈالے
منزل جھکی ہوئی ہے قدموں پہ شاد اپنے

اربابِ دانش!

وطنِ عزیز پاکستان کا ماضی و حال بھی نئی نسل کی جہد و عمل کا مرہون منت ہے۔ تحریک پاکستان میں جس طرح اس نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں شب و روز اپنی محبتوں، صلاحیتوں اور خدمتوں کے جوہر دکھائے، ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے۔

ہمارا خوں بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

جنابِ صدر و سامعین والا قدر!

قیامِ پاکستان کے بعد بھی مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں نوجوانوں نے امدادی سامان کی فراہمی اور ان کی آبادکاری کے لئے ان گنت کارنامے سرانجام دیئے بلکہ جنگ 1965ء اور 1971ء میں انہوں نے جس طرح افواجِ پاکستان کے حوصلے بڑھائے، جہاد و جنگ کے لئے خود کو پیش کیا اور متاثرین کے لئے دفاعی فنڈ اور دیگر اشیائے صرف فراہم کیں، یہ انہی کا حصہ ہے۔ بقول شاعر

ہزار بار زمانے کے سرد طاقوں پر
چراغ خونِ جگر سے جلائے ہم نے

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی شاعری کا محور اور ان کی آرزو و جستجو کا مرکز بھی یہی نونہالانِ چمن ہیں جوان کے نزدیک ستاروں پر کمندیں ڈالنے، عقابی روح پیدا کرنے، یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کا مظاہرہ کرنے، تقدیر یزداں بننے، اسلاف کی درخشندہ روایات کو زندہ کرنے، آدابِ جہانبانی سیکھنے بلکہ خودی کے زور سے دنیا پر چھا جانے کی تمام تر صلاحیتوں اور عظمتوں سے بہرہ ور ہیں۔ جبھی تو وہ فخر سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہے کاری

اور

اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں

لیکن...... جناب والا!

افسوس کہ آج کا نوجوان نہ تو جسور و غیور ہے کہ اقبال کی قلندری، سکندری کا روپ دھار لے اور نہ ہی بے داغ شباب اور ضربِ کاری کا حامل ہے کہ قبیلے کی آنکھ کا تارا اور بھولے بھٹکوں کا سہارا بن جائے، بلکہ اب تو یہ محمد علی، سلطان راہی، ریما، مائیکل جیکسن اور میڈونا کا دلدادہ، ہیروئن

کارسیا، کلاشنکوف کا شائق اور ہلڑبازی بلکہ دہشت گردی کا نعرہ بنا، اپنی ذات کو اور اپنی قومی و اخلاقی ذمہ داریوں کو قطعی طور پر بھلا چکا ہے۔ کاش! نسلِ نو آنکھوں سے مغرب پرستی کی عینک اور کانوں سے وطن اور نظریۂ پاکستان کے مخالف دبیز پردے ہٹالے۔

نسلِ نو کو آج ان خوابوں کا دینا ہے حساب
جن میں شامل ہے شہیدوں کے لہو کی آب و تاب
آج پھر اسلاف کی روحوں نے مانگا ہے جواب
کب بھرو گے دامنِ امید میں تازہ گلاب؟
کیا ہمیں ہر خواب اپنا بھول جانا چاہیے؟
کیا تمہیں بیدار ہونے کو زمانہ چاہیے؟

آج وطن مقدس جس طرح تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے کہ اندرونی طور پر اہل وطن کی ہرزہ سرائی اور بیرونی اعتبار سے حریفوں حتیٰ کہ ہمسایہ ملکوں کی ریشہ دوانیوں کے نرغے میں جکڑا ہوا ہے، سخت ضرورت ہے کہ مستقبل کے معمار فوری طور پر غفلت اور سستی اور لاپرواہی و بے نیازی کا جوا اتار پھینکیں اور میدانِ کارزار میں کود پڑیں۔ بقول اقبال۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

میر محفل!

انہیں چاہیے کہ وہ خلوص نیت کے ساتھ آگے بڑھیں اور اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال کر یہ ثابت کر دیں کہ وہ واقعی مستقبل کے معمار، اہل وطن کے غمگسار اور قوم کی عزت و حرمت کے پاسدار ہیں کہ۔

خوشبو رہے، رنگِ گلستاں رہے ہیں ہم
ہر حال میں بہار کا، ساماں رہے ہیں ہم
تنظیم و اتحاد و یقیں کی بہار ہیں
خود اپنی عظمتوں کے، نگہباں رہے ہیں ہم

گلستانِ وطن کی بہار سامانی اور اپنی عزتوں کی نگہبانی یہ ہے کہ نوجوان زندگی کے جس شعبہ میں بھی مصروفِ عمل رہیں، نہایت لگن اور خلوصِ عمل سے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ صلے کی تمنا اور ستائش کی پرواہ کیے بغیر قدم بڑھاتے رہیں۔ اپنے فکر و عمل کی تازہ کاری کے جوہر دکھاتے رہیں اور جب بھی اور جہاں بھی ضرورت پڑے ایثار و قربانی سے کبھی دریغ نہ کریں۔ آخر تعمیر وطن کا تقاضا ہے کہ آزمائش کی گھڑی میں جان کی پرواہ بھی نہ کریں۔

اے وطن! تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

تعمیرِ وطن کے لئے ویسے تو ہر محاذ پر ہر نبرد آزمائی درکار ہے، مگر تعلیم اور سماجی خدمت کے شعبے تو نوجوانوں کے میلانات اور ضروریات کے عین مطابق ہیں، جبکہ اخلاقیات کے پرچار، منافقت کی تکذیب، نظریہ پاکستان کے تحفظ، دین اسلام کی تبلیغ، منشیات اور آلودگی کی روک تھام، فرقہ واریت اور دہشت گردی کے خاتمے، ناگہانی آفتوں اور جنگوں وغیرہ میں امداد و تعاون، برادری ازم اور صوبائی و لسانی تعصبات کے تدارک میں بہترین خدمات سرانجام دے سکتے ہیں بلکہ بقول اقبال۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

صدر گرامی و حاضرین عالی!

نوجوانوں کا بنیادی کام حصول علم ہے، لہٰذا جہاں انہیں جدید عصری تقاضوں کے پیش نظر کارآمد مضامین اور اعلیٰ نصاب کا انتخاب کرنا چاہئے وہاں بلند پایہ نصب العین سے مزین ہونے کے لئے سرتوڑ کوشش کرنی چاہئے تاکہ سچے پاکستانی آفیسرز، انجینئرز، ڈاکٹرز اور پروفیسرز کے ساتھ ساتھ ایماندار اور ماہر کاروباری حضرات میسر آسکیں۔ سماجی تنظیموں میں شمولیت خصوصاً حقوق العباد کی ادائیگی کا راز ہے جس کی رو سے بحالی مریضاں، بہبودی اسیراں، غم خواری، یتامیٰ و مساکین، تقسیم کتب، مفت تعلیم، فلاح اطفال اور تعلیم بالغاں کی صورت میں سرگرم عمل رہ سکتے ہیں۔ منشیات اور آلودگی ایسے مہلک زہر سے بچنے اور بچانے کے لئے نہ صرف بیداری و شعور پیدا کریں اور بھرپور طور پر سیمیناروں اور متعلقہ پروگراموں میں حصہ لیں بلکہ دین کی تبلیغ، حب الوطنی کے شعور، نظریہ پاکستان کے پرچار اور اخلاقیات کے فروغ ایسے اعمال حسنہ سے مثبت نتائج برآمد کر سکتے ہیں کہ اس طرح فرقہ واریت اور دہشت گردی کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی شکل اختیار کر سکیں۔ بلاشبہ نوجوانوں کی حکمت و دانائی اور جرأت رندانہ کی بدولت موجودہ قومی انتشار و افتراق، ملکی املاک اور انسانی جانوں کو تباہی سے بچایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا نوجوان نسل کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف ناپسندیدہ عناصر کا کھوج لگائے بلکہ انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بھی امداد کرے۔ نیز اسی طرح لسانی، صوبائی اور برادری ازم کے تعصبات کا بھی قلع قمع کرے ورنہ نظریاتی سطح پر جو تھوڑی بہت رمق موجود ہے وہ بھی دم توڑ جائے گی، جو کہ غیر ملکی آقاؤں اور بیرونی ایجنسیوں کی دیرینہ مذموم کوشش ہے۔ لہٰذا قومی اتحاد کے لئے بساط بھر سعی کرے ورنہ بعد میں پچھتانا بے سود ہوگا۔

صدر ذی احترام!

وطن عزیز کے جواں سال باسیوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ رضا کارانہ جذبوں سے سرشار ہو کر ہر ناگہانی مصیبت، سیلاب، وباء یا کسی بھی آفت کا سامنا کرنے کے لئے مستعد و ہوشیار رہیں تاکہ دکھی انسانیت سسک سسک کر دم نہ توڑ دے، اور کہیں یہ اس کی

روح کی درد بھری پکار کی تاب نہ لا سکے کہ ضمیر کی ملامت، سب سے بڑی بلکہ عذاب ہے کہ۔

تری زندگی اس سے تیری آبرو اس سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رو سیاہی

صاحبِ بصیرت و دانش!

بظاہر تو یہ انفرادی ذمہ داریاں، چھوٹے چھوٹے امور نظر آتے ہیں، لیکن باہم مل کر آخر کار قومی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جس طرح قطرے قطرے سے دریا، ذرے ذرے سے صحرا، پتی پتی سے پھول اور شاخ شاخ سے شجر خوشنما بنتا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

معزز سامعین محفل!

خدا کرے کہ ان فرائض کی انجام دہی اور تعمیر قوم و ملک کی کسی بھی دیگر ذمہ داری کے لئے نسل نو، نہ صرف پر خلوص جذبوں سے سرشار رہے بلکہ اس کے کارہائے نمایاں اور اعمال و کردار کی قوتوں سے اس کے بعد نمودار ہونے والی ننھی منی کلیاں بھی اپنی بہار ساماں، بادِ صبا کے جھونکوں سے کھلنا اور شباب آفریں گل ہائے شگفتہ بننا سیکھ جائیں۔

دیے سے دیا ہم جلاتے رہیں گے
وطن سے اندھیرے مٹاتے رہیں گے
جاتے رہیں گے حقیقت کی راہیں
زمانے کو منزل دکھاتے رہیں گے

❁

ماحول کی آلودگی

صفائی میں خدائی ہے صفائی نصف ایماں ہے
طہارت سے گریزاں ہے، بھلا کیسا مسلماں ہے؟
وہ جس کے ذہن و جسم و جاں سرِ محفل ہیں آلودہ
حقیقت میں مویشی ہے بظاہر ایک انساں ہے

صدر عالی مرتبت و حاضرین گرامی منزلت!

اکیسویں صدی جہاں جہاں اپنے جلو میں ان گنت علمی تفاخر، سائنسی ایجادات اور سماجی و معاشی تحفظات و مفادات لا رہی ہے، وہاں ایڈز، منشیات اور ماحولیاتی آلودگی ایسی مہلک بیماریوں کے خدشات و خطرات کا جال بھی پھیلا رہی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی تو گزشتہ بیس تیس سالوں سے ایک عالمی مسئلہ بن چکی ہے، جس کے حل کے لئے دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک اور مہذب اقوام انفرادی اور اجتماعی طور پر مصروف عمل ہیں بلکہ سراپا جہاد ہیں، لیکن اس زہر کے اثرات اتنے تند و تیز اور کرب انگیز ہیں کہ انسان بے بس و مجبور اور غمگین و رنجور دکھائی دیتا ہے، بقول شاعر

خاکداں پر قہر ہے آلودگی
انس و جاں کو زہر ہے آلودگی
اس سے بچنا معجزے سے کم نہیں
موت کی اک لہر ہے آلودگی

صدر گرامی و حاضرین عالی!

بدقسمتی سے وطن عزیز پاکستان بھی وقت کے ساتھ ساتھ اس جاں لیوا مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، بلکہ سرزمین پاک کی رنگین فضائیں، خشک ہوائیں اور ماحول کی عطر بیز فضائیں بدمزگی، بے کیفی اور بدرنگی کا شکار ہیں، جس پر ہر دردمند دل خون کے آنسو روتا اور انسانیت کے عدم تحفظ کی داستانِ غم سناتا ہے۔

ماحول کی آلودگی میں نہ صرف فضا کا زہریلا پن شامل ہے، بلکہ اس میں زمین کی آلودگی، پانی کی آلودگی، شور کی آلودگی اور جسم و روح کی

آلودگی بھی قابلِ غور ہے۔

اربابِ دانش!

اگر ان عناصر وعوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی سلامتی و بہتری کے لئے بروقت اقدامات نہ کیے گئے تو مستقبل قریب میں کہیں کوئی جاندار صحت منداور خوش حال دکھائی نہ دے گا، بلکہ فرشتہ اجل ہر ذی روح کے دروازے پر دستک دینے لگے گا۔

آلودگی میں اس قدر بے تحاشا اضافے کی وجہ روز افزوں بڑھتی ہوئی آبادی ہے، جس کی ضروریات کے لئے گھنے جنگلوں، پر بہار گلستانوں اور لہلہاتے کھیتوں کو آئے دن شہروں، کالونیوں اور کارخانوں کا روپ دے کر جانوروں اور انسانوں کے قرب وجوار کو آلودہ اور گندہ کیا جا رہا ہے، کہیں ٹریفک کی کثرت اور اس کا بے ہنگم شور اور خطرناک دھواں ہے تو کہیں فیکٹریوں کی زہریلی گیس اور خارج شدہ وبدبودار مادے ہیں جو پیغامِ موت سے کم نہیں۔

سامعین معزز!

اگر فضائے سیط کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ متعدد طبی و کیمیائی عناصر اسے آلودہ کر کے صحت کے لئے مضر بنا رہے ہیں خصوصاً کارخانوں، کیمیکل فیکٹریوں اور بجلی گھروں سے خارج ہونے والی گیسیں اور دیگر مادے نیز پٹرول وتیل اور کوئلے کے ایندھن کے دھوئیں انسان کو پھیپھڑوں کے سرطان کی المناک بیماری سے دوچار کرنے کے علاوہ آنکھ، ناک اور گلے کے امراض کا باعث بن رہے ہیں۔ بلکہ ہڈیوں کے عارضوں کی بدولت بوریت وتھکاوٹ، افسردگی و پژمردگی اور ذہنی خطرے ہیں اور فصلیں اور پھل پھول تباہی و بربادی کی لپیٹ میں ہیں۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی کے تابکاری اثرات ہر وقت خطرے کا الارم ہیں۔

اربابِ بزم!

فضا کے ساتھ ساتھ پانی کی آلودگی بھی جانداروں کی تباہ کاری کا موجب ہے کہ پانی میں وہ تمام کیمیائی مادے بآسانی حل ہو جاتے ہیں، جو کارخانوں سے کثافتوں کی شکل میں خارج ہوتے ہیں، سمندر، دریا، ندی، نالے سب اس سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کا پانی مضرِ صحت بن جاتا ہے، جو نہ تو پینے کے قابل رہتا ہے اور نہ مزید صنعت گری کے امور میں کام آتا ہے۔

سیوریج کا ناقص نظام، جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر، گلے سڑے پھلوں، سرعام مردہ پڑے جانوروں اور پرندوں، دیگر گھریلو گندگیوں اور نالیوں سے پیدا شدہ گیسوں اور وباؤں سے نتائج کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، جو زمین کی آلودگی کو جنم دیتی ہے۔

صدر نشین!

اسی طرح شور کی آلودگی سماعت کے لئے مضر ہے کہ موٹر گاڑیوں، ریڈیو، ٹی وی، مشینوں اور لاؤڈ اسپیکر کی اوٹ پٹانگ آوازیں، اگر 90 ڈیسی مل سے تجاوز کر جائیں تو بہرے پن کے اثرات پیدا کر دیتی ہیں، نیز بے جا شور وغل تو اعصابی تناؤ اور ذہنی کھچاؤ سے انسان کو نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے۔ ایسے میں سکون وچین کی تمنا کسی دیوانے کا خواب بن جاتی ہے۔ ان تمام آلودگیوں سے بچاؤ اور تحفظ کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم جسمانی و

روحانی طور پر بھی خود کو غلاظتوں سے پاک صاف رکھیں۔

میر محفل وحاضرین عالی!

جہاں اپنے جسم کو نجاستوں سے نجات دلائیں، وہاں ذہنوں وقلب کی آلائشوں سے بھی چھٹکارا پائیں کہ ان کی کجروی اور آلودگی انسان کو طہارت وپاکیزگی اور صفائی سے محروم رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دھیرے دھیرے آلودگی سے مانوس ہوتا چلا جاتا ہے اور گندگی اسے ناگوار نہیں لگتی۔ بالفاظِ دیگر فکری ونظریاتی اعتبار سے بیداری بھی عملی بیداری کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے ہر فرد اپنی اور آنے والی نسلوں کے تحفظ، خوشی، خوشحالی اور ترقی کے لئے ماحول کی آلودگی سے بچانے میں ملک وقوم کا ہاتھ بٹائے اور ماحولیات کی وزارت کے قیام وکام کے سماجی ومعاشرتی تنظیموں کی بھرپور معاونت، الیکٹرانک میڈیا اور اخبارات ورسائل کی جانب سے تشہیر اور مذہبی وتعلیمی انجمنوں کی ماہانہ وسالانہ تقریبات کے اہتمام کے ساتھ ساتھ درج ذیل امور کو زیرِ عمل لانے میں ہر ممکن تعاون کرے۔

دین اسلام ''صفائی نصف ایمان ہے'' کے اصول کے پیش نظر مکمل طہارت وصفائی، جنگلات، باغات اور درختوں کی حفاظت اور مزید شجرکاری کا بندوبست، موٹروں، گاڑیوں اور مشینوں کی درستی اور شور کی کمی، کارخانوں کے بیرون شہر منتقلی اور ان کی چمنیوں کے دھوئیں کا معقول نکاس، فیکٹریوں سے خارج شدہ گیسوں اور مادوں کی کھپت کے مناسب انتظام، نکاسی آب کا صحیح نظام، غلاظت اور گندگی کے ڈھیروں کا خاتمہ، بلدیاتی اداروں کی جانب سے صفائی اور چھڑکاؤ کا انتظام، آلودگی کے مرتکب کارخانوں اور انسانوں کو جرمانہ اور سزائیں، آلودگی کے نقصانات سے آگاہی اور نجات کا احساس۔ وطن عزیز کو پاک وصاف اور باوقار بنانے کا جذبہ عمل۔ الغرض۔

گندگی کا خاتمہ ہے فرض ساری قوم کا
اپنی طاقت کے مطابق سب کریں اس کو ادا
کمر ہمت گر نہ باندھی شاد! ہم نے وقت پر
زندگی بھر کامرانی کی نہ پائیں گے ضیاء

ہمارا نظام تعلیم

جہاں بھونچال بنیاد فصیل و در میں رہتے ہیں
ہمارا حوصلہ دیکھو ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں
لہو سے جو اٹھائی تھیں وہ دیواریں نہیں اپنی
یہی محسوس ہوتا ہے پرائے گھر میں رہتے ہیں

صدر فیض ترجمان، مہمانانِ عالی وقار اور سامعین ذیشان!

کسی بھی ملک کی بقاء سلامتی کا راز اس کے جغرافیائی حدود کی نگہداشت اور نظریاتی اساس کی حفاظت میں مضمر ہے۔ جغرافیائی سرحدوں کی نگرانی، مضبوط دفاعی قوت کا تقاضا کرتی ہے، جبکہ نظریاتی محاذ کی نگہبانی بہتر نظام تعلیم کی متقاضی ہے۔ لیکن اہل شعور آگاہ ہیں کہ دفاع بھی نظریہ سے محبت وارادات کی بدولت ممکن ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وطن عزیز کے مقصد تخلیق یعنی نظریہ پاکستان کے فروغ و پرچار کے لئے شعبہ تعلیم کو ہر طرح سے پاکیزہ و منزہ، ارفع واعلیٰ اور جامع و مکمل کیا جائے کیونکہ صرف خواندہ مرد و خواتین ہی نظریہ پاکستان سے آشنائی حاصل کر سکتے ہیں اور وہی اس کی حفاظت و سالمیت کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دے سکتے ہیں۔

صدر عالی مرتبت!

جس ملک کے نظریہ، اس کی قومی روایات کا امین اور تہذیب و ثقافت کا ترجمان ہوتا ہے، وہی قائم و دائم رہ سکتا ہے۔ گویا نظریہ ہی ملک کی عزت وعظمت، طاقت وقوت اور بقا و سلامتی کا سبب ہوتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ نظریہ کی پختگی و ترقی کا امکان پیدا کیا جائے۔ اس امر کے لئے بہترین نظام تعلیم ناگزیر ہے۔ ہمارا ملک بھی ایک نظریاتی ملک ہے اور اس کا مقصد واضح طور پر دین اسلام کا نفاذ ہے کہ بانی پاکستان نے ہر موقع پر تخلیق وطن کے مقصد کو بیان کیا کہ "ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے میں ہے، جو چودہ سو سال پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کیا تھا"۔ الغرض نظریہ پاکستان، دین اسلام کا دوسرا نام ہے۔

لہٰذا اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک ایسے نظام تعلیم کا متقاضی ہے، جو اسلام کے مقاصد کا حامل ہو۔ گویا اسلامی نظامِ تعلیم ہی ہماری منزل مقصود ہے، اور جو فرد اور معاشرے کو اعتدال میں رکھتی ہے اور تعلیم کا بنیادی مقصد، رضائے خداوندی قرار دیتی ہے کیونکہ تخلیق آدم کا منشائے حقیقی یہی ہے کہ خالق و رازق کی خوشنودی حاصل کی جائے۔

تجھ سے مل کر زندگی مقصود مہر وماہ تھی
تجھ سے کٹ کر دربدر بے آبرو ہونے لگی

اربابِ دانش!

یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پاکستان کے تعلیمی مقاصد، قومی مقاصد کے تابع اور ہم آہنگ ہیں۔قومی مقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ ہر پاکستانی اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرے اور ساتھ ساتھ قوم کی اجتماعی آرزوؤں کے حصول کے لئے کوشاں بھی رہے لہٰذا ایک پاکستانی طالب علم کے سامنے ہمیشہ قوم کی روحانی اور اخلاقی قدروں کا تحفظ، سائنسی ترقی اور روشن خیال، قومی تعمیر اور عوامی خدمت اور قومی یک جہتی اور علاقائی تعصبات کا خاتمہ ایسے مقاصد جلیلہ رہنے چاہئیں۔

اربابِ دانش!

ان مشاہدات کے حقائق کی روشنی میں دیکھیں تو علم ہوتا ہے کہ آج تک پاکستان کا نظام تعلیم وہی چلا آ رہا ہے جو انگریزوں کا وضع کردہ ہے۔جس میں منشیوں اور خصوصاً کلرکوں کے پیدا کرنے والا لارڈ میکالے کا نظریہ کارفرما ہے تاکہ حکومت کے کل پرزوں کی طرح کام کرسکیں جس نے واضح طور پر کہا تھا کہ

"ہمارا مقصد ایسے تعلیم یافتہ افراد پیدا کرنا ہے جو اپنی نسل اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں، مگر ذہنی اور فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں"۔

علاوہ ازیں انگریز کی جدید تعلیم کے اس نظام کے اثرات واقعی منفی تھے جس کا ادراک مسلم علماء وادباء اور دیگر سیاسی زعماء کو ہو چکا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی نے فرمایا کہ:

معلوم ہوا انگریزی خواں قوم نہایت مہمل فرقہ ہے، جس کا خیال ہے کہ مذہب کو جانے دو، خیالات کی وسعت، سچی آزادی، بلند ہمتی اور ترقی کا جوش برائے نام ہے۔ یہاں ان چیزوں کا ذکر نہیں آتا۔بس خالی کوٹ پتلون کی نمائش گاہ ہے"۔

جبکہ سرسید احمد خاں جیسے انگریزی تعلیم کے سب سے بڑے داعی کو بھی ماننا پڑا:

"تعجب ہے کہ جو تعلیم پاتے جاتے ہیں، اور جن سے قومی بھلائی کی امید تھی، مادہ پرست اور بدترین قوم ہوتے جاتے ہیں"۔

شاعر مشرق مفکر پاکستان علامہ اقبال نے بھی اکثر مواقع پر ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا کہ:

آہ! مکتب کا جوان گرم خوں
ساحر افرنگ کا صید زبوں

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ الحاد بھی ساتھ آئے گا
اور یہ اہلِ کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اکبرالہ آبادی نے تو ایک عرصہ قبل فرما دیا تھا کہ۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

جناب صدر و حاضرین ذی قدر!

قیام پاکستان کو پورے 61 سال بیت چکے ہیں، مگر ہم اب تک صحیح نظام تعلیم کا اہتمام نہیں کر سکے۔ بس وقتاً فوقتاً نظام تعلیم میں اسلامیات اور عربی زبان کی پیوندکاری کر کے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ شریف کمشن یعنی قومی تعلیمی کمشن نے ثانوی تعلیم کے جن مقاصد کو لازمی قرار دیا تھا، وہی اب تک حاصل نہیں ہو سکے جو فرد کی حیثیت سے ترقی، شہری کے ناطے، ترقی، کارکن کے روپ میں ترقی اور محبِ وطن ہونے کے حوالے سے ترقی میں تسلیم شدہ ہیں۔

کیا کہیں کوئی ایسا طالب علم فارغ التحصیل ہو رہا ہے، جو ان چاروں عوامل کا حامل ہو لیکن ادھر تو طلبہ کی سرگرمیوں سے پورا معاشرہ تنگ ہے۔ آئے دن بائیکاٹ، ہڑتالیں حتیٰ کہ طلبہ برادری کا ایک دوسرے کا قتل، نہ جانے کس منحوس منزل کی طرف رواں دواں رہنے کا پیش خیمہ ہے۔

نہ ان کی کوئی اپنی سوچ ہے، نہ ہی قائدانہ صلاحیتیں، نہ نفس ضبط ہے نہ ہی امانت و دیانت کی قوتیں، نہ محنت کی عظمت کا پاس ہے نہ ہی پیشہ ورانہ مہارتیں اور نہ قومی ثقافت اور اسلامی اقدار کا تحفظ ہے۔ نہ عالمگیر اخوت و عالمی شعور کی طاقتیں۔ الغرض چاروں مذکورہ مقاصد تعلیم خاک میں مل رہے ہیں۔

پھر اس کے جاتے ہی یہ دل سنسان ہو کر رہ گیا
اچھا بھلا اک شہر تھا ویران ہو کر رہ گیا
نقش باطل ہو گیا اب کے دیار ہم میں
اک زخم گزرے وقت کی میزان ہو کر رہ گیا
اک خواب ہو کر رہ گئیں گلشن سے اپنی نسبت
دل ریزہ ریزہ کانچ کا گل دان ہو کر رہ گیا

جناب صدرو سامعین مقتدر!

اس کی وجہ یہ نہیں کہ پاکستان کا نظام تعلیم سرے سے غلط ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نظام تعلیم فرسودہ اور بے عمل ہے، جسے پاکستانی نظام تعلیم کہنا ہی زیادتی ہے۔ یہاں تو دینی اور دنیوی تعلیم کا ایسا حسین امتزاج چاہیے تھا کہ طلبہ جو مستقبل کے معمار ہیں، مقاصد تخلیق پاکستان حاصل کریں نہ کہ ڈگریاں ہاتھوں میں اٹھائے لوٹ مار سیل میں مصروف ہوں جو ان کی پہچان بنتی جارہی ہے اور یہی پہچان ان کی ذلت و رسوائی اور قوم کی عدم ترقی و خوشحالی کا باعث ہے، بقول اقبال باکمال۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

اور۔

شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی

صدر عالی مرتبت!

ان دنوں ایک بڑی ابتلاء تعلیمی اداروں کی نج کاری کا شہرہ اور دور دورہ ہے۔ جس سے نہ صرف طلبہ متاثر ہو رہے ہیں بلکہ اساتذہ بھی خاصی تعداد میں بیروزگاری سے دوچار ہیں۔ ایسے میں بہتر تعلیم یا تعلیمی مقاصد کے حصول کی توقع عبث ہے بلکہ نسل نو کی بیروزگاری اور اس سے آوارگی مزید پریشان کن ثابت ہوگی۔ ظاہر ہے جہاں تعلیم سینکڑوں کے بجائے ہزاروں روپے ماہوار معاوضے پر ملے گی وہاں کتنے بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہوں گے؟

حاضرین باتمکین!

ان ناگفتہ بہ حالات کے ذمہ دار نہ تو طلبہ ہیں نہ ہی اساتذہ بلکہ وہ نظام تعلیم ہے جو قوم کی غلط رہنمائی کر رہا ہے اور ترقی معکوس پر اسے ابھار رہا ہے۔ اس میں حکومت، سیاستدان، والدین، معلم، معاشرہ اور کچھ حد تک کچھ پردہ نشین بھی شامل ہیں۔ تاہم بنیادی حیثیت حکمرانوں کو حاصل ہے، جو اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے آئے دن نصاب تعلیم بدل بدل کر نظام تعلیم کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں جبکہ سیاستدان اپنی شہرت و عظمت کی دکان چمکانے کے لئے طلبہ کو آلۂ کار بناتے ہیں والدین کے پاس اپنی کاروباری مصروفیات کی بدولت وقت نہیں جبکہ ماہرین تعلیم اور اساتذہ خود تعلیم و تحقیق کے جذبے سے عاری ہیں۔ رہی بات معاشرے کی تو یہ اس قدر روبہ زوال ہے کہ نئی نسل پر صرف برے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

ارباب فکر و دانش!

ہمارے ملک کا نظامِ تعلیم فوری تبدیلی بلکہ انقلابی اقدام کا محتاج ہے۔ اس امر کے لئے ضروری ہے کہ مسائل کو سامنے رکھا جائے جن میں بے مقصدیت کا خاتمہ، منصوبہ بندی کی ضرورت، معمارانِ قوم کی اسلامی خطوط پر تربیت، خواتین کی تعلیم کی طرف توجہ، تعلیمی اداروں کی خودمختاری،

خواندگی کے تناسب کی کمی، مہنگی تعلیم، اساتذہ کی معاشی سہولیات، قومی زبان کی لازمی حیثیت سے روگردانی، امتحانات کا ناقص انتظام، آسان اور عام فہم نظام کی فراہمی، پرکشش اور جدید اندازِ تدریس، تعلیم بالغان کا نظام، مدارس میں فنی، زرعی اور امور خانہ داری کی تعلیم کا فقدان، بیروزگاری، تعلیمی اداروں کے ناقص انتظامات طلبہ کی تعداد کے پیش نظر سکولوں کی کمی وغیرہ نمایاں ہیں۔

ان حالات میں اچھے دینی اداروں اور جدید طرز کے معیاری سکولوں کی اشد ضرورت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ایرے غیرے کو تعلیم کے نام سے تجارت کی دکان سجانے کی اجازت دے دی جائے کہ ہر مڈل فیل یا انڈر میٹرک خود ساختہ پرنسپل بن کر گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر حکمرانی کرتا نظر آئے اور دن رات نسلِ نو کی ذہنی و اخلاقی صورت حال کو زوال پذیر کرتا چلا جائے۔ بلاشبہ ایسے تجارتی اداروں یا کارخانوں سے تعلیم پست تر ہوتی چلی جائے، اور ایک ایسی کھیپ تیار ہوگی جو نظریہ پاکستان کا تحفظ نہ کرسکے گی بلکہ عملی طور پر اس کا مذاق اڑائے گی۔ جی ہاں...... یہی نسل پاکستان اور اسلام کے نام پر بدنما داغ بن جائے گی۔

علاوہ ازیں چاہئے کہ نقل کا رجحان ختم ہو اور سفارش کا قلع قمع ہو کر اس طرح نااہلیت کی بنیاد پر آگے آنے والے قوم کے ناہنجاروں سے نجات مل سکے گی۔

معزز اساتذہ و عزیز طلبہ!

یقینی و حتمی بات یہ ہے کہ وہی قوم ترقی و عروج کے بام سے ہمکنار ہوسکتی ہے جس کا نظام تعلیم اس کی نظریاتی اساس کا ترجمان ہوتا ہے، ورنہ غیر ملکی نظام تعلیم اور نصاب تعلیم تو اس کی اصل سے انحراف ہے، اور اس سے نوجوان نسل گمراہ ہو جائے گی۔ پھر ترقی و خوشحالی کے بجائے تنزلی اور ابتری و مفلسی مقدر بن جائے گی۔ بقول شاعر۔

ختم راتوں رات اس گل کی کہانی ہو گئی
رنگ بوسیدہ ہوئے خوشبو پرانی ہو گئی
جس سے روشن تھا مقدر وہ ستارا کھو گیا
ظلمتوں کی نذر آخر زندگانی ہو گئی
کل اجالوں کے نگر میں حادثہ ایسا ہوا
چڑھتے سورج پر دیے کی حکمرانی ہو گئی

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے قلعہ پاکستان کی سطوتوں اور نظریہ پاکستان کی رفعتوں کے باوجود بنگلہ دیش معرض وجود میں آ گیا۔ وہاں سیاستدانوں کی ریشہ دوانیوں کے ساتھ ساتھ ہندو اساتذہ، دین اسلام اور پاکستان کے استحکام کے خلاف زہر اگلتے رہے بلکہ وہ ہمارے پیارے دیس کو دولخت کرنے کے لئے عملی طور پر اقدام کرتے رہے جس کے نتیجہ میں نوجوانانِ ملت اپنی ثقافت اور اسلامی تہذیب سے بیگانہ ہو گئے، گویا خالد و طارق اور ٹیپو کے نقشِ قدم پر چلنے والے مردانِ حُر ماضی کا افسانہ بن گئے۔ بے شک۔

وہ علم نہیں زہر ہے افراد کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دوکف جو

الغرض وطن عزیز کے اکابر، اہل علم، دانشور، مفکرین تعلیم، رہنمایان مذہب وملت اور کار پردازانِ حکومت کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ انہیں احساس ہو کہ وقت کا اہم ترین تقاضا یہی ہے کہ ایک ایسا نظامِ تعلیم وضع کیا جائے، جو معمارانِ وطن کی اخلاقی و ذہنی پرداخت کرتے ہوئے اسے نظریہ پاکستان کا حامل اور مسلمان کہلانے کا اہل بنا دے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تونے؟
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا

تعلیمِ نسواں

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ سمجھا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

جنابِ صدر وسامعین مقتدر!

افسوس کا مقام ہے کہ آج کے جدید دور میں بھی جب زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے، بعض ناعاقبت اندیش بزرگ عورتوں کی تعلیم کی پرزور مخالفت کرتے ہیں بلکہ یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں کہ دینِ اسلام نے کہاں حکم دیا ہے کہ لڑکیوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ وپیراستہ کیا جائے؟ حالانکہ ارشادِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''حصولِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے''۔

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہاں تک فرمادیا:

''جو اپنی تین بیٹیوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش صحیح خطوط پر کریں گے وہ جنت کے مستحق ہوں گے''۔

گویا تعلیم نسواں فرض ہی نہیں نیکی بھی ہے۔

خلقِ خدا کی خدمت بے لوث کر کے ہم
تخلیقِ کائنات کا مقصد بتائیں گے

حاضرینِ مجلس!

عورتوں کی تعلیم اس لئے بھی مقدم ہے کہ وہ معاشرے کا اہم رکن ہیں کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، گاڑی تیز رفتاری اور خوش اسلوبی سے اس وقت منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کرے گی جب اس کے دونوں پہیے صحیح اور کارآمد ہوں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عورتوں کو

تعلیم یافتہ بنایا جائے تاکہ وہ اچھی بیٹیاں، اچھی بہنیں اور اچھی مائیں ثابت ہوں۔

صدر ثریا شہاب!

ایک مثالی قوم کی تعمیر و ترقی کا دارومدار صرف پڑھی لکھی خواتین پر ہے۔ واقعی اچھی قوم اچھی ماؤں ہی کی تربیت کی مرہونِ منت ہے، بقول نپولین:

''اچھی مائیں ہی اچھے بچے پیدا کرتی ہیں''۔

تعلیم چونکہ ذہنی، اخلاقی، روحانی اور جسمانی، صفاتی اصلاح اور ترقی کا سبب ہے، اس لئے تعلیم یافتہ عورتیں بہترین استاد اور رہنما کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بچوں کی نگہداشت اور تربیت کی ذمہ داری کے لئے اچھی اور تجربہ کار معلمات کی جستجو ہمارا مسئلہ نہ ہوتا۔ علامہ اقبال ایسے عظیم شاعر و مفکر تعلیم کی مثال ہمارے سامنے ہے، جنہوں نے اپنی بچی کی تعلیم و تربیت اور نگرانی و حفاظت کے لئے جس جرمن خاتون کا انتخاب کیا، ایک مدت تک اس کی ذہنی، اخلاقی اور تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیتے رہے تاکہ بہترین و مددگار اور اصلاح کار ثابت ہو۔ گویا تعلیم کی اہمیت و افادیت بے پناہ ہے، اور عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا جہاں ان کی ذاتی تعمیر و تربیت، کاروبار اور ملازمت وغیرہ میں کارآمد ہے۔ وہاں قومی اور ملی سطح پر بھی نہایت مفید ہے۔

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں کہ جنہیں زمانہ بنا گیا

صدر عالی مقام و حاضرین ذی احتشام!

ہمارے ملک میں ویسے ہی شرح خواندگی دوسرے تمام ملکوں سے کم ہے، اور تعلیم نسواں کی طرف تو سرے سے دھیان ہی نہیں جاتا۔ پاکستان میں بمشکل 16 فیصد خواتین زیور تعلیم سے آراستہ ہیں۔ دیہاتوں میں جہاں زیادہ آبادی نظر آتی ہے وہاں بچیوں کی تعلیم زہر قاتل متصور ہوتی ہے۔ بعض گھروں بلکہ پورے کے پورے گاؤں میں دور دور تک پڑھی لکھی عورت تلاش کرنا ایک مسئلہ ہے۔ ایک تازہ سروے کے مطابق جس سکول میں پہلی جماعت میں 80 بچیاں زیر تعلیم ہوں وہ پانچویں جماعت تک جاتے جاتے دو سے تین رہ جاتی ہیں، جو ایک المیہ ہے کہ کہیں کہیں کوئی لڑکی میٹرک پاس میسر آتی ہے۔

والا قدر سامعین محفل!

تعلیم نسواں میں کمی کی وجوہات بھی بعید از ناممکن نہیں ہیں جن میں والدین کا بچیوں کے لئے تعلیم کو غیر مفید سمجھنا، بچیوں کے لئے تعلیمی سہولتوں کا نہ پانا، ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کا دور دراز فاصلوں پر قائم ہونا، نصاب تعلیم کا عورتوں کی نفسیات اور ضروریات سے ہم آہنگ نہ ہونا اور مخلوط تعلیم کو ناگوار خاطر سمجھنا سر فہرست ہے۔ یہ تمام اسباب نہایت اہم ہیں جن کا قلع قمع وقت کا تقاضا ہی نہیں قومی ضرورت بھی ہے۔

ارباب شعور!

آج اس ملک کو قائم ہوئے نصف صدی سے زائد ہونے کو آئی ہے لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ہم نے زندگی کے کسی بھی شعبہ میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ اس کی ایک دو نہیں صدہا وجوہات ہو سکتی ہیں، لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دین پر مکمل عمل نہیں کر رہے ہیں، اور چونکہ دین کی طرف سے ہماری رغبت ختم ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم دنیا کی دیگر اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے قاصر ہو چکے ہیں اور مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے ملک میں خواندگی کی شرح افسوسناک حد تک بہت ہی کم ہے، خصوصاً خواتین کی شرح تو مردوں سے بھی بہت کم ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم زندگی کے دیگر لوازمات کی طرف بھرپور توجہ دیتے ہیں، لیکن خواتین میں تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پوری طرح بیدار نہیں کر پائے۔

صدرِ ذی وقار ہم سفیرانِ چمن علم و ادب!

عورت اور مرد انسانی گاڑی کے دو پہیے ہیں، دونوں میں یکسانیت اور برابری کا ہونا اشد ضروری ہے۔ اگر علم مرد کی عقل کو روشن اور شعور کو بیدار کرتا ہے تو عورت کی عقل کو بھی اس سے جلا ملتی ہے اور کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ایک مثالی معاشرہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ معاشرے میں رہنے والی نصف آبادی یعنی خواتین تعلیم کے زیور سے بہرہ ور نہ ہوں۔ چنانچہ اس لحاظ سے عورتوں کی تعلیم بہت ضروری ہے۔

صدرِ ذی وقار و برادرانِ ملت!

ہمیں اپنے دین کی بنیادی تعلیمات سے مکمل آگاہی حاصل کرنا چاہئے۔ اسلام نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ پاک کی روشنی میں غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض بنتا ہے چاہے اس کے لئے کیسے ہی حالات سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ یعنی گو کہ آج تیز رفتار ہوائی جہازوں نے چین کو ہمارے نہایت قریب کر دیا ہے لیکن جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحصیل علم کی تاکید اپنے اس ارشاد کے ذریعے فرمائی تو ان دنوں چین کا سفر گویا جان جوکھوں کا کام تھا، اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

''جو شخص علم حاصل کرنے کی کوشش میں فوت ہو جائے وہ شہید ہے''۔

علم کا رتبہ اس سے بلند کیا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پاک ہمارے لئے مینارۂ نور ہیں۔

صدرِ مکرم!

میں یہاں تاریخ اسلام سے ایک واقعہ دہرانا چاہتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر کے وہ قیدی جو فدیہ دینے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، ان کے لئے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا ہی فدیہ ٹھہرایا گیا، اس سے ہم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں علم کا درجہ کس قدر بلند ہے۔

صدرِ مجلس و سامعین باتمکین!

یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں مرد تو علم حاصل کر کے ترقی کی مدارج تیزی سے طے کرنا چاہتا ہے، لیکن عورت کا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، اور بالخصوص معاشرے کے متوسط یا نچلے طبقے کی خواتین کے لئے علم حاصل کرنے پر پابندی عائد کی جاتی ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ علم حاصل کر کے ان درجات کو طے کر سکتی ہے، اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ عورت پر علم کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اب تو لڑکیوں کے الگ سکول اور کالج قائم کئے جا چکے ہیں۔ یہی لڑکیاں پڑھ لکھ کر اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلائیں گی اور ملک وملت کے لئے روشن ستارے بن کر رہنمائی کا کام دیں گی۔ ملک کے نام کو اونچا کریں گی اور قوم کی عزت وآبرو کو چار چاند لگائیں گی۔

صدر محترم وارباب بصیرت!

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ آگے چل کر ایک لڑکی کو معاشرے میں کیا کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ وہ ماں بنتی ہے۔ عورت چاہے پڑھی لکھی ہو یا ان پڑھ۔ اسے بہر حال ایک ماں بنا ہوتا ہے۔ ایک ان پڑھ جاہل عورت بھی ماں کہلاتی ہے اور ایک پڑھی لکھی تعلیم یافتہ عورت بھی ماں ہی ہوتی ہے...... لیکن......ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ عورت اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھتی ہے۔ اپنے خاوند کے لباس کو بناتی سنوارتی ہے۔ اپنے بچوں کو بھی ایک خاص رنگ میں رنگتی ہے۔ جس سے بچے بچپن ہی میں ہونہار ہو جاتے ہیں، اور بڑے ہو کر ترقی کی راہوں پر چل نکلتے ہیں۔ تعلیم یافتہ ماں غریب بھی ہو تو امیر بن جاتی ہے، وہ فضول خرچیوں سے گھر کو اجاڑنے کے بجائے کفایت شعاری کو اپناتی ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ امارت سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ بچوں کو خود پڑھاتی ہے، وہ پڑھائی کے طریقے جانتی ہے اور محلے کے بچے بھی اس سے پڑھنے کے لئے آتے ہیں اور اس طرح وہ محلے میں عزت بھی پاتی ہے اور زیادہ دولت کا حصول بھی اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا ہے۔

میر مجلس!

ہمیں دوسری ترقی یافتہ قوموں سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آج کے دور میں تو عورتیں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے لگی ہیں، اور اس طرح انہیں اپنے جوہر دکھانے کا موقع مل رہا ہے۔ ان میں خودداری پیدا ہو رہی ہے۔ اپنے اوپر اعتماد پیدا ہو رہا ہے۔ بعض لوگ جن کے پاس روپیہ تو ہے مگر علم نہیں وہ خود جاہل ہونے کی وجہ سے بچیوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے بجائے قیمتی لباس اور زیور سے پیراستہ کرتے ہیں جس سے بچیوں میں بے راہ روی اور لالچ جیسی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جس سے وہ شمع محفل تو بن جاتی ہے مگر چراغ خانہ نہیں رہ سکتیں، اور اس طرح ملک وملت کی رسوائی کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ صرف تعلیم یافتہ عورتوں کا ہی کام ہے کہ وہ ملک وملت کی شان بڑھاتی ہیں۔ اپنی اولاد کو ملک وملت کی خدمت کے لائق بناتی ہیں۔ انہیں برائی اور بھلائی میں تمیز کرنا بھی سکھاتی ہیں اور اپنے فرائض دینی ودنیاوی بڑے اچھے طریقے سے پورا کرتی ہیں۔

ہم نوایانِ چمن حکمت!

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک کو اپنی گرہ سے باندھ لینا چاہئے کہ:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔

ہم سب اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ علم ایک ایسی بیش بہا دولت ہے، جس کا ہر شخص محتاج ہے خواہ عورت ہو یا مرد زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ یورپی اقوام ترقی کے میدان میں اسی لئے ہم سے بہت آگے نکل گئیں کہ وہاں کے لوگ سو فیصد تعلیم یافتہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کے بغیر دین ودنیا کا کوئی بھی کام خاطر خواہ طور پر سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔

سامعین ذی وقار!

مرد اور عورت اس لحاظ سے بھی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں کہ صرف پہیے سے گاڑی نہیں چل سکتی بلکہ منزل مقصود تک صحیح و سالم پہنچنے کے لئے دونوں پہیوں کا مضبوط ہونا شرط ہے۔ اس طرح اگر کسی پرندے کا ایک بازو ٹوٹ جائے تو وہ صرف دوسرے بازو سے پرواز نہیں کر سکتا۔ یہی حال ہماری سوسائٹی کا ہے، جب تک ہمارے تمام مرد و زن تعلیم سے بہرہ ور نہ ہوں گے ہم ترقی کے میدان میں قدم آگے نہیں بڑھا سکیں گے۔

ارباب بصیرت!

بزرگوں کا قول ہے کہ بچے کی پہلی درس گاہ اس کی ماں کی گود ہے، اگر ماں تعلیم یافتہ اور سلیقہ شعار ہے تو اس کی اولاد بھی مہذب اور شائستہ ہوگی، جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ بچے کا زیادہ وقت ماں کی محبت میں گزرتا ہے، اور ماں کی حرکات و سکنات اور عادات و اطوار کا اس پر زیادہ اثر پڑتا ہے۔ جاہل ماں بچے کے اخلاق و عادات کو تباہ و برباد کر دیتی ہے جبکہ پڑھی لکھی ماں بچے کی تربیت کا خاص خیال رکھتی ہے۔ اس کی عادات کی خاطر خواہ نگرانی کرتی ہے۔ اسے بری سوسائٹی سے بچاتی ہے اور اس کے دل و دماغ کو عمدہ خیالات کا مرکز بناتی ہے۔ یہی بچے آگے چل کر کسی قوم اور ملک کے لئے باعث افتخار ثابت ہوتے ہیں۔ دنیا میں جتنی بھی نامور ہستیاں ہو گزری ہیں ان سب نے تعلیم یافتہ ماؤں کی گودوں میں پرورش پائی تھی۔

صدر عالی قدر!

گھر ایک چھوٹی ریاست کی طرح ہے جس میں خاوند بادشاہ اور عورت اس کی وزیر ہوتی ہے، جس بادشاہ کا وزیر جاہل اور ان پڑھ ہو، وہ مختلف مسائل اور معاملات میں مشورہ دے سکے گا؟

اگر عورت تعلیم یافتہ ہوگی تو وہ گھر کے معاملات کو خوبی کے ساتھ چلائے گی، اپنے شوہر کی کمائی کو انتہائی کفایت شعاری سے جائز کاموں پر خرچ کرے گی، اپنے گھر کی صفائی اور بچوں کی صحت کا خاص خیال رکھے گی، اور اپنی خوش اخلاقی اور سلیقہ مندی سے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دے گی۔

صدر گرامی!

یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی بعض لوگ عورتوں کو تعلیم دلانے کے حامی ہیں ان کے برعکس ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔ ان تعلیم دشمنوں کا خیال ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکیاں فیشن کی دلدادہ اور فضول خرچ ہو جاتی ہیں۔ امور خانہ داری سے گھبراتی ہیں، سینما اور دوسری تفریحات کی شوقین ہوتی ہیں۔ مذہب سے روگردانی کرتی اور نماز روزے سے کتراتی ہیں۔ وہ چراغ خانہ نہیں بلکہ شمع محفل بننا پسند کرتی ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سو فیصد ایسا نہیں ہوتا ہے، اگر کچھ لڑکیاں ایسی ہوں بھی تو انہیں تاکید کی جانی چاہئے اور ایسے کاموں سے باز رکھنے کے لئے والدین کی طرف سے ان پر دباؤ ہونا چاہئے۔

بقول اکبر الہ آبادی۔

تعلیم عورتوں کی ضرورت تو ہے مگر
خاتونِ خانہ ہو وہ سبھا کی پری نہ ہو

صدرِ ذی وقار و سامعین محفل!

میں سمجھتا ہوں کہ اگر عورتوں میں فیشن کا رواج ہے تو یہ در حقیقت سو فیصد تعلیم کا قصور نہیں ہے فیشن تو ان پڑھ اور امیر عورتوں میں بھی رائج ہیں۔ اگر ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں تو یہ ماحول کے اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تعلیم تو بہر حال انسان کو مہذب، شائستہ، با اخلاق اور با کردار بناتی ہے، تعلیم یافتہ عورتیں امورِ خانہ داری کی ماہر ہوتی ہیں اور وہ گھر کا نظم و نسق ان پڑھ عورتوں کے مقابلے میں احسن طور پر سر انجام دیتی ہیں۔ اسی لئے دینی اور دنیاوی نقطہ ہائے نظر سے عورتوں کی تعلیم بہت ضروری ہے۔

صدرِ عالی مرتبت!

اب میں ذرا ایک دوسرے رخ سے اس مسئلے کو اجاگر کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں طبقۂ نسواں میں علم کو عام کرنے کے لئے جا بجا درسگاہیں تعمیر کی گئی ہیں، لیکن اس کے باوجود دیہی آبادی میں جہالت کے اندھیرے غالب ہیں، وہاں کم و بیش نوے فیصد لوگ ابھی علم سے محروم ہیں اور علم سے اس دوری کا نتیجہ ہے کہ ان کی اکثریت لڑکیوں کو تعلیم دلانے کی سخت مخالف ہے۔ ان کے خیال میں تعلیم عورت کے لئے زہر قاتل ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم عورت کو گستاخ، بے ادب، فضول خرچ اور انتہا یہ ہے کہ بے راہ رو بنا دیتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ تعلیم کا مقصد صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے صرف اچھی ملازمت ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کیا انہیں اپنی عورتوں سے کلرکی کروانا ہے جو انہیں تعلیم دلوائیں۔ ان کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ میں ایسے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنا چاہتا ہوں کہ انہیں اس بات کا علم ہی نہیں کہ بغیر علم شعورِ انسانی کی تعمیر و تشکیل ممکن نہیں۔

آپ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھئے کہ عورتوں نے پردہ نشینی کے باوجود علم حاصل کیا۔ قرآن مجید حفظ کیا اور بنی عباس کے عہد میں تو مسلمان خواتین عالمانہ خطبات بھی دیتی رہی ہیں۔ تاریخ اندلس کو سرسری طور پر دیکھیں تو آپ کو ہر دور میں متعدد ایسی خواتین ملیں گی جو شعر و ادب، خطابت، علم ایقان اور فقہ میں ممتاز علم رکھتی تھیں۔

لیکن جب مسلمانوں کا انحطاط شروع ہوا تو ان میں یہ غلط نظریہ عام ہو گیا کہ عورتوں کو تعلیم نہیں دلوانا چاہئے، اسے حرم کی چار دیواری میں محصور کر دیا گیا جہاں ان کا فرض منصبی بچوں کی پرورش اور گھر کی دیکھ بھال قرار پایا۔

جنابِ صدر و سامعین مقتدر!

جدید نفسیات کی روشنی میں اس حقیقت کو تسلیم کیا جا چکا ہے کہ اس دور میں بچہ جو اثرات قبول کرتا ہے، وہ اس کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ کل کے پاکستانی اعلیٰ شخصیات کے مالک ہوں تو ہمیں اس کے لئے اولین تربیت گاہ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا ہوگا۔ ایک پڑھی لکھی اور سوجھ بوجھ رکھنے والی ماں جس عمدگی سے بچوں کو اچھے اخلاق اور اقدار کی تربیت دے سکتی ہے، وہ ایک ان پڑھ اور جاہل عورت سے بھلا کیسے ممکن ہے؟ پڑھی لکھی عورت بچوں کی نفسیات پر گہری نظر رکھے گی۔ اسے پہلے سے ہی اس بات کا اندازہ ہوگا کہ عمر کے کس دور میں بچے کے نفسیاتی تقاضے کیا ہو سکتے ہیں، اور انہیں احسن طور پر کیونکر پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہمارے ملک کے آئندہ شہریوں کی شخصیت کی تعمیر جدید علمی خطوط پر ہو سکے گی۔ آج دنیا کی تمام اقوام جس تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں۔ یہ تیزی تاریخ انسانی میں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی اس جدوجہد کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس جدوجہد میں عورت بھی برابر کی شریک ہے

اور وہ ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے۔

اربابِ دانش!

اس معاشرے کی ہر عورت کو اس کا جائز مقام دیں، اور تعلیم کے حصول میں جو رکاوٹیں اسے درپیش ہیں انہیں صاف کر دیں ایک اچھی اور صحت مند قوم بننے کے لئے۔

کون نہیں جانتا کہ عورت کی گود بچے کی اولین درسگاہ ہے، لہٰذا اس تربیت کدہ کا معیاری اور مثالی ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے نتائج منفی ہوں گے۔ یہی کہ اگر عورت جاہل اور ان پڑھ ہوگی تو اعلیٰ تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ کر سکے گی بلکہ اپنے زیرِ سایہ بچوں کو بھی اسی طرح گنوار، اجڈ اور جاہل بنا دے گی، اور کل کو مستقبل بعید میں یہی نسل ظلم و جہالت، بیروزگاری حتیٰ کہ چوری وڈکیتی اور ہر قسم کی برائی کا دروازہ کھول دے گی۔

ہم نوایانِ چمنِ حکمت!

میں یہاں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش چلنا چاہیے تو انہیں آزاد خیال بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ جس سے سوسائٹی میں عروج و ترقی کے بجائے بے پردگی اور عریانی و فحاشی کے امکانات پیدا ہوتے ہیں، ایسے میں عورت چراغِ خانہ نہیں شمعِ محفل بن جائے گی، علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اس علم کو اربابِ ہنر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و مستی کے لئے علم و ہنر موت

لہٰذا ضروری ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت میں پردہ اور تقدس کا خاص خیال رکھا جائے۔ مخلوط تعلیم ختم کی جائے اور ان کے لئے الگ تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں بنائی جائیں، نیز عورتوں کی دینی، اخلاقی، سماجی اور فنی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی جائے تاکہ وہ مذہبی اور قومی امور کی انجام دہی میں پیش پیش ہوں اور پاکستانی قوم دنیا میں عظیم قوم بن کر ابھرے۔

مکالمات و فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اس کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

نیرنگیٔ زمانہ

صدر گرامی و حاضرین عالی!

آج میں جس موضوع پر اظہار خیال کرنے جا رہا ہوں وہ موضوع ہے یہ دنیا جس میں ہم سب بستے ہیں۔ اس دنیا کو ہر انسان اپنی اپنی نظر سے دیکھتا ہے اور دنیا کے بارے میں سب کے خیالات اور نظریات بھی اپنے اپنے اور الگ الگ ہیں۔

ارباب علم و دانش!

یہ دنیا کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ یہ ایک مسرت کا مقام ہے، دنیا کا تماشا، تلخیوں اور مصائب کے عجیب و غریب رنگ دکھاتا ہے۔ ہر طرف ایک ہلچل ایک ہنگامہ ہے، ایک چلا چلی کا بازار ہے۔ ہر شخص اپنی دھن میں مست اور عارضی عیش و عشرت کا خریدار دکھائی دیتا ہے۔ یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ زندگی کا انجام موت ہے، بہت کم لوگ ہیں جو ہمہ وقت موت کو یاد رکھتے ہیں۔

صدر ذی وقار!

ہم سب جانتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر شے فانی ہے، موت کے آگے ہر کوئی بے بس ہے، جبر و اختیار کا یہی مسئلہ ہے، کوئی کسی سے دشمنی رکھتا ہے، کوئی کسی کی دوستی میں پھنسا ہوا ہے، آزاد کوئی بھی نہیں ہے، ہر ذی روح کسی نہ کسی دنیاوی بکھیڑے میں الجھا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ کسی کو کوئی جسمانی بیماری لاحق ہے، کوئی روحانی مریض ہے، کسی کو مال و دولت کی فکر ہے کوئی غربت و افلاس کے ہاتھوں پریشان ہے، کوئی محبت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے، کوئی ہمہ وقت نفرت کے بیج بونے میں لگا رہتا ہے، کوئی نہیں سوچتا کہ آخر اس سارے لین دین کا مطلب کیا ہے۔

صدر جلسہ و حاضرین والا!

فی زمانہ ہر طرف پیسے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، لیکن کون جانتا ہے کہ ہر شخص نفع کی امید میں سراسر گھاٹے کا سودا کر رہا ہے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ کسی کو تقریر کرنے کی طاقت و عنایت ہوتی ہے اور کسی کو سننے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

دوستانِ عزیز!

یہ دنیا تو ایک امتحان گاہ ہے۔ احمق یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا آرام و آسائش کی جگہ ہے۔ دو دن کی زندگی کے لئے کیسے کیسے ساز و سامان اکٹھے کرتے ہیں۔ فرعون کی طرح مغرور ہو جاتے ہیں۔ اپنے سے کم تر لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور ساری زندگی مال و دولت کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ پریشانیاں اور ذلتیں اٹھا کر دولت جمع کرتے ہیں اور جب ہاتھ سے نکل جائے تو حسرت سے چیخیں مارتے رہ جاتے ہیں

اور آخر کار حسرت اور غرور کے غلاف میں گھر کر آخرت کو سدھار جاتے ہیں ناصح نے کیا خوب کہا ہے:

''دنیا کی مثال تو ایک بے وفا عورت کی طرح ہے جو ایک جگہ جم کر نہیں رہتی بلکہ شطرنج کے مہرے کی طرح گھر گھر پھرتی ہے''۔

صدر عالی وقار، مہمانانِ ذی شان و حاضرین والا تبار!

جب ہم اس زمین پر غور کریں تو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ یہاں بلند و بالا عمارات ہیں اور عالیشان محلات ہیں جن پر پرشکوہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہاں قبرستان بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ذرا غور کرو دوستو کہ ایک طرف تو رنگ و نور میں غرق محل ہے اور دوسری طرف تنگ و تاریک قبر ہے، لیکن افسوس کہ دونوں کے مقدر میں مٹی کا فرش ہے، نہ تو کوئی امیر مسحور و قاقم کا فرش بچھا سکا اور نہ کوئی فقیر اپنی پھٹی پرانی گدڑی اور ٹوٹا ہوا بوریا ہمراہ لا سکا۔ جب وقت کی گردش اور زمانے کے انقلابات نے ہر شے کو تہس نہس کر دیا تو کوئی نہ بتا سکا کہ ان اجڑی ہوئی قبروں میں سے کون سی بادشاہ کی ہے اور کون سی فقیر کی۔ کس جگہ کوئی جوان دفن ہے اور کس جگہ کوئی بوڑھا۔

میر محفل!

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ سب فرق مٹ جاتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو مرنے کے بعد دفن ہونے کے لئے قبر کا ایک گڑھا نصیب ہو جاتا ہے ورنہ سینکڑوں لوگ تو سینے پر ہاتھ رکھ کر مر جاتے ہیں کوئی پوچھتا تک نہیں ہے۔ کتے، بلی، چیل بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ بے گور و کفن لاشے پڑے رہ جاتے ہیں۔ نہ کوئی رونے والا ہوتا ہے اور نہ کوئی غم کرنے والا۔ یہی لوگ زندہ تھے تو عالیشان محلوں اور ساز و سامان جمع کرنے میں مصروف رہے۔ انہوں نے اندھیری قبر کو دیکھنے کے لئے دنیا کے ہزاروں رنج اکٹھے کئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کے والی وارث تخت و سلطنت پر جلوہ افروز ہیں اور ان کے انجام سے قطعاً عبرت حاصل نہیں کرتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ قبروں میں سوئے ہوئے لوگ کل تک اس دنیا کی رونق میں پورے آن بان سے شریک تھے۔

ارباب دانش!

میں تو کہتا ہوں کہ دنیا کے چمن کا پائیدار رنگ صرف خزاں کا رنگ ہے، بہار کا موسم تو ایک عارضی چیز ہے۔ خوشی سے زیادہ غم ہیں لیکن دولت کے متوالے پھر بھی بے خبر پڑے ہیں۔ انسان نے برسوں خدا کی عبادت کی، تمام دنیا کی خوب سیر کی، رنگ رنگ کے روپ بھرے، وعظ و نصیحت سنی، لیکن مطلب کی بات پھر بھی سمجھ میں نہ آئی، ہمیشہ اپنے آپ کو اچھا سمجھا اور دوسرے کو برا گردانتے رہے اور کبھی اس پر غور نہ کیا کہ یہ سوچ کس قدر جاہلانہ ہے۔

صدر ذی وقار!

یہ دنیا انسان کی منزل ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ایک رہ گزر ہے۔ یہاں کی زندگی تو ایک سفر کی طرح ہے۔ ہر سانس کے ساتھ انسان اس

سفر میں آگے بڑھتا ہے۔اس زندگی میں انسان کو ہزاروں جھگڑے درپیش رہتے ہیں اور مرنے کے بعد باز پرس کا خطرہ درپیش رہتا ہے۔کسی بھی طرح سکون نہیں ہے۔نفع کی ہر شے میں نقصان پوشیدہ ہوتا ہے۔حاصل کار یہ ہے کہ دنیا میں جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم کرے۔جہاں تک ہو سکے کسی کا دل رنجیدہ نہ کرے۔دل شکستہ کی دلداری اور ضرورت مند کی مددگاری کرے۔لالچ اور ہوس کو دل سے دور کرے،اس طرح غرور اور تکبر سے بچ جائے گا۔

صدر عالی مرتبت!

ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی تقدیر پر قناعت کرے اور ہر نعمت پر خدا کا شکر ادا کرے اور جن چیزوں کی خدا کی طرف سے ممانعت ہے،ان سے پرہیز کرے۔رنج سے گھبرانا نہ چاہئے،ہر حال میں خوش رہے۔زمانے کے مکروہات سے دل برداشتہ ہرگز نہ ہو۔جن لوگوں کی شہرت اچھی نہ ہو ان سے دور رہنا چاہئے تاکہ بدنامی اس کے قریب بھی نہ پھٹک سکے۔دولت پر قطعاً بھی اعتبار نہ کرے کہ یہ آتی ہے تو جاتی بھی ضرور ہے۔مفلسی پر کوئی شرم محسوس نہ کرے۔ایک دن مرنا ہے،جینا بالکل عارضی ہے۔اس پر کسی کو اختیار نہیں ہے۔نیک کام کرے کہ یہ زندگی ایک قید کی حیثیت رکھتی ہے اور موت اس قید سے رہائی کا نام ہے۔شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ کسی کی موت پر مت روؤ بلکہ ان لوگوں کی حالت پر آنسو بہاؤ جو اس زندگی سے محبت کرتے ہیں،انسان طویل عمر اور بے بہا دولت کی فکر میں صبح و شام ذلیل و خوار ہوتا ہے۔اس کو سمجھنا بیکار ہے بقول ناصح:

"علم و ہنر رکھنے والے تو دولت سے محروم رہتے ہیں اور احمق دولت مند ہوتے ہیں"۔

سونے،چاندی اور جواہر کی تلاش میں ان کا دن رات کا چین ختم ہو جاتا ہے۔
بقول شاعر یہ سرائے فانی یعنی دنیا اتنی دلکش جگہ ہے کہ انسان یہاں سے جاتے ہوئے گھبراتا ہے۔

صدر جلسہ و حاضرین والا!

شروع ہی سے اہل کمال دنیا کے مال سے محروم رہے،جو لوگ اس قابل تھے کہ حکمران بنتے وہ محکوم ہو کر رہے۔دنیا عجیب مقام ہے،کبھی خوشی ہے کبھی غمی ہے،نہ امیر ہوتے دیر لگتی ہے نہ غریب بنتے کچھ وقت لگتا ہے۔اس کارگاہ بے ثبات میں عجب اندھیر ہے۔بقول سودا زمانے کا ہیر پھیر بھی عجیب ہے کہ کچھ عرصہ بیشتر جن کے طویلے میں اعلیٰ سے اعلیٰ گھوڑے کی حیثیت نہ تھی،آج حالات کے آگے اتنے بے بس ہو چکے ہیں کہ اپنے پاؤں کی جوتی موچی سے ادھار مرمت کرانے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

دوستانِ عزیز!

جب موت آتی ہے تو نہ دولت کام آتی ہے اور نہ طاقت بچا سکتی ہے،نہ دوست مدد کر سکتے ہیں نہ عزیز رشتے دار ملک الموت سے نجات دلوا سکتے ہیں۔اگر یہ سب چیزیں موت سے بچا سکتیں تو جمشید و کاؤس اور دارا سکندر جیسے بادشاہ اس افسوس اور حسرت سے جان نہ ہارتے،البتہ نیک عمل ضرور کام آتا ہے،ورنہ تو ہر دن سراسر ایک دھوکہ ایک فراڈ اور زندگی کی حقیقت ایک بلبلے سے زیادہ نہیں ہے۔

صدر عالی!

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس جہاں میں کسی اسبات کا پابند نہ ہونا چاہئے۔ جو بھی اس جہاں سے گیا وہ شا کی تھا۔ بادشاہ سے فقیر تک اور جوان سے بوڑھے تک، نفسِ امارہ کسی کے کام نہ آیا۔ جہاں تک ممکن ہو دنیا کے لالچ اور طمع سے اپنا آپ بچا کر رکھے۔ آدمی کے لئے لازم ہے کہ اس زندگی میں ایسے نیک کام کر جائے جس کی وجہ سے لوگ اس کو یاد کریں۔ دنیا میں کسی سے دل نہ لگائے، وفاداری اس دنیا میں ناپید ہے بے وفائی اس کا شیوہ ہے۔ دل کو تمناؤں سے آزاد رکھے کہ اس طرح جان آرام میں رہتی ہے، مگر افسوس جب جوانی کا نشہ اترتا ہے اور بڑھاپا آتا ہے تو اس وقت انسان سر پر ہاتھ رکھ کر روتا ہے، مگر گزرا ہوا وقت اور کمان سے نکلا ہوا تیر کب واپس لوٹتا ہے، پھر ناچار ہو کر افسوس سے ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

صدرِ عالی مرتبت!

ہمیں ہمہ وقت اپنا احتساب کرتے رہنا چاہئے اور دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کر کے اپنے آپ کو اس انجام سے دور رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے یہی زندگی ہے اور یہی زندگی کا مقصد ہے۔

اتفاق میں برکت ہے

صدر والا تبار و حاضرین ذی وقار!

آج کے اس خوبصورت جلسے میں مجھے جس موضوع پر تقریر کرنے کا فخر حاصل ہوا ہے اس کا عنوان ہے "اتفاق میں برکت ہے"۔ میں اپنی تقریر کا آغاز ایک کہاوت سے کرنا چاہتا ہوں کہ ایک بوڑھے کے چار بیٹے تھے، جو ہمیشہ آپس میں دنگا فساد کرتے رہتے تھے۔ بوڑھے نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود، ان میں اتفاق واتحاد پیدا نہ ہو سکا۔

آخر بستر مرگ پر بوڑھے آدمی نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور انہیں لکڑیوں کا ایک گٹھا لانے کا حکم دیا۔ گٹھا لایا گیا تو بوڑھے نے تمام لکڑیوں کو دبا کر باندھ دیا اور باری باری تمام بیٹوں کو لکڑیوں کا یہ گٹھا توڑنے کا حکم دیا لیکن کوئی بھی نہ توڑ سکا۔ پھر بوڑھے نے گٹھا کھول کر انہیں ایک ایک کر کے توڑ دیا اور بیٹوں کو اس کی مثال دیتے ہوئے سمجھایا کہ جب تک یہ لکڑیاں باہم یکجا تھیں تمہارے طاقتور ہاتھ انہیں نہ توڑ سکے، لیکن الگ الگ ہوتے ہی یہ لکڑیاں آسانی سے ٹوٹ گئیں۔ اس طرح اگر تم باہم اتفاق سے رہو گے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی اور اگر بکھر کر رہو گے تو کچھ نہ کر سکو گے بلکہ دوسرے آسانی سے تمہیں زیر کر لیں گے۔ چاروں بیٹوں کو اپنے بوڑھے باپ کی یہ بات سمجھ میں آ گئی اور وہ اتفاق سے رہنے لگے۔

ارباب دانش!

اس کارخانہ سود وزیاں کی ہر چیز اتفاق واتحاد کے بل پر قائم ہے، اور اس طریقے سے قائم و برقرار رہ سکتی ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک مفرد اور دوسری قسم مرکب کی ہے۔ جب مفرد اشیاء خاص تناسب سے باہم مل کر ایک نئی چیز بن جاتی ہیں مثلاً مکان جس میں ہم رہتے ہیں، اینٹ، گارے اور مٹی وغیرہ سے بنا ہے۔ اینٹیں جب باہم مل گئیں تو ایک نئی چیز کے سانچے میں ڈھل گئیں۔ دیواریں بن گئیں، جب دیواروں کے درمیان اتفاق واتحاد پیدا ہوا تو وہ چار دیواری کی شکل میں ہمارے سامنے آئیں۔ اسی طرح جب شہتیر اور کڑیاں یکجا ہو جاتی ہیں تو چھت بن جاتی ہے اور اس طرح مختلف مفرد اشیاء کے اتفاق سے ایک ایسا خوبصورت مکان بن جاتا ہے، جو ہمیں آرام بھی دیتا ہے اور سکون بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ ہماری حفاظت کرتا ہے اور موسمی تغیرات سے ہمیں محفوظ رکھتا ہے۔

صدر محفل!

اتفاق واتحاد کی روشن مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ہم اپنے گرد وپیش کسی چیز پر نظر ڈالیں ہمیں اس میں اتفاق واتحاد ہی کا کرشمہ نظر آئے گا۔ ہم جو شاندار خوبصورت ملبوسات زیب تن کر چکے ہیں، یہ بھی باریک باریک تاروں کے باہمی اتفاق سے تیار ہوا ہے۔ اگر وہ تار علیحدہ علیحدہ کر

دیئے جائیں تو ان کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی، لیکن جب یہ یکجا ہو گئے تو ایک ایسے لباس کی شکل میں ظاہر ہوئے جو مضبوط بھی، پائیدار بھی اور خوبصورتی میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس لباس کی وجہ سے انسان کی شخصیت میں وجاہت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی لباس تہذیب کی علامت بھی ہے۔ اسے ہم اتفاق میں برکت کا نام نہ دیں تو اور کیا نام دیں؟

صدر ذی شان و اربابِ فیض ترجمان!

ہمیں تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ جب تک افراد میں اختلاف رہتا ہے تو وہ کوئی ایسی قوم نہیں بن سکتے جس پر تاریخ ناز کر سکے، ایک فرد کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے، اس کی زندگی ''ربط و ملت'' سے ہے۔ قطرے جب باہم ملتے ہیں تو دریا ہو جاتے ہیں، دانہ دانہ مل کر انبار بن جاتا ہے، اکیلا فرد بہر حال اکیلا ہے، لیکن جب ربط باہم سے ایک قوم بن جاتی ہے اور ان کا ایک ایسا نظام مرتب ہو جاتا ہے جس میں اتفاق واتحاد اور جاں نثاری کی خوبیاں ہوں تو افراد کا یہ اتفاق مشکل سے مشکل کام کو آسانی سے کر سکتا ہے، اور وہ قوم ایک دیوار بن جاتی ہے جسے گرایا نہیں جا سکتا۔

حاضرین باتمکین!

تاریخ کے اوراق کو پلٹ کر دیکھو، اتفاق کے کرشمے صفحہ بہ صفحہ واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ ماضی قریب میں جب برصغیر میں آزادی کی جدوجہد کا آغاز کیا گیا تو ہندوؤں کی تنظیم کانگریس یہی نظریہ پیش کیا کہ ہندوستان میں ایک ہی قوم غالب ہے جسے ''ہندو'' کہتے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوؤں کی اس ڈینگ کے جواب میں برصغیر کے مسلمانوں کو باہم متحد کیا اور ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر یکجا کر دیا اور پھر یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ ہندوستان میں ایک قوم نہیں بلکہ دو قومیں بستی ہیں۔ ایک مسلمان قوم بھی ہے۔ ہندوؤں نے اس مطالبہ کا مذاق اڑایا اور اس مطالبے کو مضحکہ خیز ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انگریزوں نے خود بھی اس مطالبے کی راہ میں روڑے اٹکائے، اور بعض نے مسلمانوں کے اس نظریے کی تضحیک بھی کی اور غیروں کی امداد کی، لیکن اپنوں اور بیگانوں کی یہ مخالفت مسلمانوں کے باہمی اتفاق واتحاد کے سامنے ناکام ہو کر رہ گئی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان جہاں آج ہم سانس لے رہے ہیں۔ اس باہمی اتفاق واتحاد کا نتیجہ ہے اس سے بڑی اتفاق کی برکت اور کیا ہو گی؟

صدر عالی مرتبت اور حاضرین خوش بخت!

میں اتفاق کی ایک کہانی تو آپ کے گوش گزار کر ہی چکا ہوں یہ کہانی اپنے اندر اتفاق کا ایک ایسا سبق لئے ہوئے ہے جس پر عمل کرنے سے افراد متحد ہو کر ایک قوم بن جاتے ہیں، مختلف تار توڑے جا سکتے ہیں لیکن جب وہی تار مل کر رسہ بن جاتے ہیں تو اس کا توڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ متفرق اینٹوں کو اٹھایا اور توڑا جا سکتا ہے، لیکن جب ان کا اتفاق ایک دیوار بن جاتا ہے تو اس دیوار کو توڑنا، ڈھانا اور پھاندنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

صدر محترم!

جب ہم اپنے دین کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو بھی ہمیں اسی اتفاق واتحاد کا درس دیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو''۔

دوستانِ عزیز!

اس آیت قرآنی سے ظاہر ہے کہ اتحاد خدا کے نزدیک بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، ہم جس پاک مذہب کے پیروکار ہیں، اس کی پاکیزہ تعلیمات اپنے اندر اتحاد و مساوات اور رابطہ باہمی کے ایسے پہلو لئے ہوئے ہیں جس پر عمل کرنے سے قومیں سرفراز ہوتی ہیں۔ اسلام کا ہر رکن اتفاق کی تعلیم دیتا ہے۔ نماز باجماعت اتفاق کا ایک بے مثال مظاہرہ ہے، اگر ایک محلے کے تمام لوگ نماز باجماعت ادا کریں تو ان کو ایک دوسرے کے حالات کا پتہ چل سکے گا۔ اس طرح جمعہ کی نماز اور عید کی نمازیں اپنے اندر اتفاق، مساوات اور اتحاد کی ایک ایسی دنیا لئے ہوئے ہے جس کی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا ہے۔

میر محفل!

اس طرح سے حج بھی مسلمانانِ عالم کے اتفاق کا ایک عالمگیر مظاہرہ ہے، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے:

"جو جماعت سے الگ رہا وہ تباہ ہوا۔ جو بکری ریوڑ سے الگ ہوگئی، بھیڑیے کی خوراک بن گئی"۔

اس ارشاد پاک کی روشنی میں شاید ہمیں اتفاق کی برکت کی اہمیت جاننے کے لئے کسی اور مثال کی ضرورت ہی نہ ہو۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ کسی چیز کو ہم کس قدر سمجھ پاتے ہیں، اور اس کی اہمیت کا کس قدر احساس کرتے ہیں، جب ہمیں اس کا احساس ہو جائے تو پھر عملی طور پر ہمیں اس کے ثمرات حاصل ہونے لگتے ہیں۔

صدر مکرم و معزز سامعین محفل!

بدقسمتی سے آج ہم یعنی پاکستانی قوم تاریخ کے جس دوراہے پر کھڑی ہے، وہاں اتفاق و اتحاد نام کی کوئی چیز دور و نزدیک کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی ہے، اور شاید ہم پاکستانیوں کے لئے باہمی اتحاد و اتفاق کی جس قدر ضرورت آج ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ پاکستان اس وقت تک مضبوط ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ہم سب باہمی اختلافات کو مٹا کر یکجان نہ ہو جائیں اور جب ہم ایک ہو جائیں گے تو ہمارے اتحاد، وحدت اور اتفاق کے سامنے ہمارے مخالفین اور ہمارے تمام دشمن اپنے گھناؤنے منصوبوں اور سازشوں کے ساتھ مجروح یاس ہو کر رہ جائیں گے۔ غیروں کو مخالفت کی جرأت اس وقت ہی ہوتی ہے جب وہ ہمارے اندرونی اختلافات کو ختم کرنے کے بجائے پھلتا پھولتا ہوا دیکھتے ہیں جب ہم ایک ہو جائیں گے تو کوئی مخالف آنکھ ہماری طرف اٹھ نہ سکے گی، ہم پاکستانیوں کو یہ حقیقت ہر منزل اور ہر مرحلے میں پیش نظر رکھنی چاہئے کہ وہ قومیں جو متحد نہیں رہتی ہیں وہ حرف غلط کی طرح مٹ کر رہ جاتی ہیں، اور قدرت بھی کچھ ان کی مدد نہیں کرتی ہے۔ ان افراد کا اختلاف ان کی قومی تباہی کا پیغام ہے۔ ہمارے پاکیزہ مذہب کی پاکیزہ تعلیم ہے۔ اسلام کا سیلاب جب عرب کے ریگزاروں سے اٹھا تھا تو عربوں کا دامن مادی وسائل سے یکسر خالی تھا مگر وہ ایک مقصد عظیم کے لئے ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے۔ ان کے باہمی اختلافات حرف غلط کی طرح مٹ گئے تھے اور ان کے حضور کجکلاہوں کی اکڑی گردنیں فرطِ ادب سے جھکتی چلی گئیں۔ یہ وہی عرب تھے جو صحرا سے اٹھے اور پوری دنیا پر چھاتے چلے گئے۔ ایک وقت تھا جب پوری دنیا ان کے قدموں تلے تھی، اور ہر طرف اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ شان یہ عظیم فتح اتفاق کی بجائے کسی اور چیز کا شاخسانہ تھی۔

صاحب صدر!

آخر میں میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اگر ہمیں دنیا میں سر بلند ہونا ہے تو اتفاق سے بڑی قوت کوئی اور نہیں ہے میرا یہی نعرہ ہے۔

ہاتھوں میں ہاتھ دو، دوسروں کا ساتھ دو

رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو

صدرِ مجلس، مہمانانِ محترم، شرکائے مقابلہ اور سامعین مکرم!

آج کے اس معزز ایوان میں مجھے جس موضوع پر اظہارِ خیال کرنے کے لئے کہا گیا ہے، اس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

''رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو''

صدرِ ذی احترام!

موضوع زیرِ بحث کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے کا تعلق تصورِ شہادت سے ہے، جبکہ دوسرے حصے کا تعلق صلۂ شہادت سے ہے۔

ابتدائے آفرینش سے اب تک انسانیت کو کئی تباہ کن جنگوں کا سامنا کرنا پڑا جس میں انسانی خون سے یہ سرزمین گلرنگ ہوئی اور انسانی رگوں میں بہنے والے خون نے زمین کو سیراب کیا۔ یہ جنگیں قبائلی عصبیت کی پیداوار بھی تھیں اور ذاتی انسانی انتقام کا نتیجہ بھی۔ یہ جنگیں اقتدار کی کشمکش کے لئے بھی لڑی گئیں اور توسیع انسانی کے عزائم کی تکمیل کے لئے بھی، لیکن جب ہادیٔ برحق رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی معاشرت وسیاست کا ایک اعلیٰ معیار قائم کر دیا اور انسانی دشمنی اور دوستی کا معیار یہ مقرر کر دیا کہ یہ اللہ والے لوگ خدا کی خاطر لڑتے اور اس کی خاطر صلح کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں بھی شہادت کا جو فلسفہ بیان کیا گیا ہے اس کی بنیاد نہ تو ہوسِ اقتدار کو بنایا گیا نہ قبائلی دشمنیوں کو، بلکہ یہ قرار دیا گیا کہ خدا تعالیٰ کے بندے خدا کے دشمنوں سے لڑتے ہیں۔ قرآن پاک میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

''اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ سے اس طرح لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو''۔

جہاد کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا:

''اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں پورا جہاد''۔

صدرِ فیض گنجور و حاضرین ذی شعور!

شہدأ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''جو لوگ اس کی راہ میں قتل کئے جائیں، ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے''۔

صدرِ عالی مرتبت و حاضرین گرامی منزلت!

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شہادت کا درجہ کس قدر بلند ہے، اور جہاد کا حکم کن الفاظ میں آیا ہے مومن جب جہاد کرنے کے لئے نکلتا ہے تو اس کے سامنے بڑی سے بڑی رکاوٹیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ پہاڑ سمٹ کر رائی بن جاتے ہیں اور دریا و صحرا دو ٹکڑوں میں بٹ جاتے ہیں کیونکہ مومن مالِ غنیمت سمیٹنے کے لئے نہیں بلکہ صرف رضائے الٰہی کے لئے نکلتا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

کشادِ در دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

جناب صدر و حاضرین ذی قدر!

یہ شہیدوں کا لہو ہے جو کسی قوم، کسی ملک کی ملت کو حیات جاودانی عطا کرتا ہے۔ سرشار ہوتا ہے، تو فرشتے اس کے لئے اپنا دامن کھول دیتے ہیں اور حوریں ان کا استقبال کرنے کے لئے دو رویہ کھڑی ہو جاتی ہیں۔

اک خوں چکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے نظر تیرے شہیدوں پہ حور کی

صدر جلسہ!

پاکستان اسلام کا مضبوط قلعہ ہے، اس قلعہ کی حفاظت و سالمیت کے لئے مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کا لہو رنگ لا کر رہے گا، اور ملک و ملت یقیناً ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے رہیں گے۔ شہدائے قوم قومی تاریخ میں حیات جاودانی حاصل کر گئے ہیں۔ سرور شہید، راجہ عزیز بھٹی، محمد طفیل، سوار محمد حسین، راشد منہاس، محمد محفوظ، محمد اکرم، میجر شبیر، کرنل شیر خان اور لالک جان ایسے شہداً جنھوں نے ہماری قومی تاریخ کو چمک دمک عطا کی۔

صلہ شہید کیا ہے تب و تابِ جاودانہ

صدر مجلس و ارباب بصیرت!

آج بھی ہمیں ایسے مجاہدین کی ضرورت ہے جو ملکی سالمیت اور تحفظ کی خاطر جاں نثار کرنے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہوں۔ مغربی مفکرین نے بڑی کوشش کی کہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد سرد پڑ جائے، کیونکہ مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے مٹھی بھر مسلمانوں نے اپنے مقابلے میں آنے والی کئی گنا فوج کو شکست فاش دی۔ ہمیں اپنے نوجوانوں میں شہادت کا شوق پیدا کرنا چاہئے، تاکہ ان میں دینی غیرت و حمیت پیدا ہو اور ان کے دلوں میں عظمت رفتہ حاصل کرنے اور دین کی سربلندی کے لئے سر کٹانے کا جذبہ و حوصلہ پیدا ہو۔ اگر یہ جذبہ نوجوانوں میں ایک دفعہ پیدا ہو گیا تو پھر یہ قوم ایک دفعہ پھر ناقابلِ تسخیر بن جائے گی۔

مشرق وسطیٰ، افغانستان، کشمیر، بلتستان میں باطل قوتیں سر اٹھا رہی ہیں ایسے میں یہ کہا جا سکتا ہے:

فضائے بدر پیدا کر کہ فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں

طارق اسماعیل ساگر کے چشم کشا مضامین کا مجموعہ...... جن میں پاکستان کو لاحق تمام اندرونی و بیرونی خطرات و سازشوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ 4 اگست 2009 کے موقع پر، پاکستانی نوجوانوں کو باشعور کرنے کی کتاب گھر کی ایک خصوصی کاوش...... درج ذیل مضامین اس کتاب میں شامل ہیں: پاکستان پر دہشت گردوں کا حملہ، 20 ستمبر پاکستان کا نائن الیون بن گیا، دھماکے، وطن کی فکر کر ناداں!، پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں، حکمتِ عملی یا سازش، طالبان آ رہے ہیں؟ محلاتی سازشوں کے شکار، ابھی تو آغاز ہوا ہے!، بلیک واٹر آرمی، اکتوبر سرپرائز اور ''کشمیری دہشت گرد''، سازشی متحرک ہو گئے ہیں!، وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!، پاکستان کے خلاف ''گریٹ گیم''، حمیت نام تھا جس کا......، آئی ایم ایف کا پھندہ اور لائن آف کا مرس، آئی ایس آئی اور ہمارے ارباب اختیار، ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا اغواء، کمانڈو جرنیل بالآخر عوام کے غضب کا شکار ہو گیا، انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟، خون آشام بھیڑیے اور بے چارے پاکستانی، عالمی مالیاتی ادارے، چلیے تو کٹ ہی جائے گا سفر!APDM، سکے جمع کرنے کا شوق، اب کیا ہوگا؟، الیکشن 2008ء اور تلخ زمینی حقائق، کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟، آمریت نے پاکستان کو کیا دیا، ہم کس کا ''کھیل'' کھیل رہے ہیں! نئی روایات قائم کیجئے، نیا پنڈورا باکس کھل رہا ہے، قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند!، خوراک کا قحط!، 10 جون سے پہلے کچھ بھی ممکن ہے؟، پہنا گئی درویش کو تاجِ سرِ دارا، کالا باغ ڈیم منصوبے کا خاتمہ، بے نظیر کا خون کب رنگ لائے گا؟، صدر کا مواخذہ، صدر کو اہم مسائل کا سامنا ہے، جناب صدر! پاکستانیوں پر بھی اعتماد کیجئے!، نیا صدر...... نئے چیلنج اور سازشیں، 23 مارچ کا جذبہ کہاں گیا؟، امریکہ، امریکہ کی عسکری اور بھارت کی آبی جارحیت، امریکی عزائم اور ہماری بے بسی، پاکستانی اقتدارِ اعلیٰ کا احترام کیجئے!، امریکہ کی بڑھتی جارحیت، ہماری آنکھیں کب کھلیں گی؟، وقتِ دعا ہے!، امریکی جارحیت کا تسلسل، جارحانہ امریکی یلغار اور بھارتی مداخلت، وزیراعظم کے دورے، عالمی منظرنامہ بدل رہا ہے، باراک اوباما، ممبئی لرز اٹھا، بھارت خود کو امریکہ سمجھ رہا ہے، بھارت سے ہوشیار، مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی نئی لہر

اس کتاب کو پاکستان کی تاریخ اور حالات حاضرہ سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بزرگوں کا احترام

ہو کے چھوٹا جو نہیں کرتا بڑے کا احترام
دل بڑے کا بھی اگر معمور شفقت سے نہیں
ان کے بارے میں ہے فرمانِ محمد مصطفیٰ ﷺ
وہ ہیں نافرمان دونوں میری امت سے نہیں

صدر نشین مجلس و حاضرین محفل!

تاجدارِ مرسلین نبی اولین و آخرین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''بوڑھے کا احترام کرنا خدا کے جلیل ہونے کا اعتراف ہے''۔

یعنی جو بوڑھوں اور بزرگوں کی عزت و احترام کا احساس رکھتا ہے، وہ خدائے بزرگ و برتر کی عظمت و جلالت کا پاس رکھتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ بوڑھے مسلمان کی عزت کرنے والا اللہ کی کبریائی پر یقین رکھتا ہے۔

صدر گرامی و حاضرین عالی!

بزرگوں کی توقیر کے لئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

''وہ شخص ہم میں سے نہیں، جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کھایا اور بڑے کا احترام نہیں کیا''۔

بلکہ بڑھاپے کی قدر و منزلت تو عبادت کا درجہ پاتی ہے۔

ارشادِ رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''جن کے بال سفید ہو جائیں ان سے مجھے حیا آتی ہے''، اور ''جو سفید ریش والے ہوں ان سے حسنِ سلوک سے پیش آنا، عین عبادت ہے''۔

برادران اسلام!

اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوڑھی عورت کا سامان اپنے کندھے پر اٹھا لینا اور یہودی بوڑھے کی آمد پر کھڑے ہو جانا ان لوگوں کے لئے پیغام فکر ہے جو دن رات بزرگوں کی ناقدری اور توہین کو وطیرہ بنائے دوزخ کا ایندھن بن رہے ہیں۔ بوڑھوں کی توقیر و منزلت کا

باعث یہ ہے کہ وہ عمر اور تجربہ میں ہم سے بڑے ہوتے ہیں اور انہوں نے زندگی کے نشیب وفراز دیکھ کر کئی ٹھوس آراء قائم کی ہوتی ہیں، جو ہمارے لئے دانش وحکمت کا مقام رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقوالِ بزرگان ہماری زندگی کو منور بناتے ہیں اور ہم ترقی وخوشحالی کی راہ پر چل نکلتے ہیں۔

جو چاہتے ہو کہ روشن بڑوں کا نام کرو
تو جس نے ان کو بڑا کر دیا وہ کام کرو

اربابِ علم ومحفل!

اپنے والدین اور قریبی عزیزوں کی عزت تو بجا، عام مسلمان بزرگوں حتیٰ کہ غیر مسلم افراد کی تکریم بھی ہم پر لازم ہے، ارشادِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''کوئی بھی ہو، بوڑھے آدمی کا احترام کرنا چاہیے''۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جاتے تو ان کی والدہ گھر میں ان کے لئے دعا کرتیں، لیکن جب وہ اللہ کی نیک بندی واصلِ حق ہو گئیں تو خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

''اب ذرا سنبھل کر بات کیا کرو کیونکہ پہلے تمہاری بوڑھی والدہ تمہارے لئے دعا کرتی تھی اور مجھے اس کے سفید بالوں سے شرم آتی تھی''۔

حضراتِ ذی وقار!

اگر ہم آج کے معاشرہ پر غور کرتے ہوئے بزرگوں سے گستاخی اور ان کی بے عزتی کے واقعات کو ذہن میں لائیں اور بوڑھوں سے اپنا سلوک دیکھیں تو مارے شرم کے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ آئے دن گھروں، دفتروں حتیٰ کہ گلیوں اور بازاروں میں ان کی توہین کرنا، ان کی باتوں پر کان نہ دھرنا بات بات پر انہیں آؤٹ آف ڈیٹ یا جاہل کہنا ہمارا شعار بن چکا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ہم میں ایسے ناعاقبت اندیش اور بدقسمت بھی ہیں، جو اپنے بزرگوں حتیٰ کہ والدین کو ہاتھ کی زبان سے بھی سمجھاتے اور دین ودنیا کی رسوائی مول لیتے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں ایسے واقعات کا تذکرہ دیکھنے کو ملتا ہے اور دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔

ایسی رت آئی کہ قاتل در و دیوار ہوئے
ہم کہ خوشبو کے پیمبر تھے گنہگار ہوئے
سچ کی تلخی نے سخن پر ہمیں مجبور کیا
جب پیا زہر تو ہم لائق گفتار ہوئے

صدرِ عالی صفات!

بزرگوں کا احترام یہی نہیں کہ صرف ان کا لحاظ رکھا جائے بلکہ ان کا احترام یہ بھی ہے کہ ان کی شخصیت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ان کے

تجربوں سے سیکھا جائے اور ان کے مشوروں کو زندگی کا سرمایہ خیال کیا جائے۔

ایک دفعہ ایک نوجوان کسی غلط راہ پر چل نکلا تو اسے اس حال میں دیکھ کر ایک بوڑھے نے کہا کہ بیٹے! تم یہ کام نہ کرو، اس میں بڑا نقصان ہے۔ اس نے جواب دیا:

''آپ کون ہوتے ہیں مجھے سمجھانے والے؟ میں جانتا ہوں کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

چند برسوں بعد وہی نوجوان بوڑھے کی تلاش میں تھا، آخر کار اسے ملا تو اس نے بتایا کہ واقعی وہ کام اچھا نہیں تھا جس سے آپ نے مجھے منع کیا تھا، بزرگ نے کہا:

''نوجوان! اب وقت گزر چکا ہے۔''

ارباب علم و دانش!

نافرمانی کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔ جی ہاں! تباہی اور سراسر تباہی اس کا بدلہ ہے۔

بے ادب نے پالیں دنیا بھر کی ساری ذلتیں
با ادب کے ہر قدم پر منزلیں ہی منزلیں
احترام آدمیت، تو سراپا حسن ہے
شادؔ! اس چمن محبت میں ہے ہر سو رونقیں

حاضرین گرامی منزلت!

اگر ہم خوشگوار اور پائیدار معاشرے کے خواہاں ہیں تو ہمیں اسلام کے احکام کی روشنی میں ہر بوڑھے کی عزت کو اپنی عزت خیال کرنا چاہئے اور ذہن میں یہ ضرور رکھنا چاہئے کہ کل ہمیں بھی بڑھاپے کی اس منزل پر ٹھہرنا ہے اور شاید ہم سے چھوٹے ہمارا کیا حال کریں، بقول حالی۔

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

یومِ استقلالِ پاکستان

زباں پہ بارِ خدا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

صدرذی وقار وحاضرین والا تبار!

آزادی کا نام زبان پر آتے ہی مسرت وانبساط کی لہر انسان کے رگ وپے میں دوڑ جاتی ہے، کیونکہ آزادی زندگی کی مانگ میں افشاں بھر کراسے حسین وجمیل بنانے کا دلکش اقدام ہے۔آزادی اپنے آرزوؤں کے چمنستان میں گل وگلاب کی کاشتکاری کا نام ہے۔آزادی اپنے تخیلات اورواردات قلبی کے بے باکانہ اظہار کی ایک حسین شکل ہے۔آزادی اپنے دین وایمان کی کھیتی میں ابر رحمت کی تراوشیں بکھیرنے اوراسے پروان چڑھانے کا کام ہے۔آزادی اپنے نظریات کی آبیاری اوراپنی روایات کی پختہ کاری کو کہتے ہیں۔آزادی حیاتِ انسانی کوانقلابی زندگی سے آشنا کر کے صفحۂ دہر سے باطل کومٹانے اورناموسِ ازلی کوسینے سے لگانے کی عہد آفرین کوشش ہے۔

آزادی کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات
آزادی کا اندیشہ حقیقت پہ بھروسہ
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامت پہ بھروسہ
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامت

صاحبِ صدرنشین اورحاضرین باتمکین!

اس زندہ کرامت کی طلب وجستجو میں مسلمانانِ پاک وہند نے قائداعظم کی قیادت میں وہ معرکہ عظیم سرانجام دیا جس کے طفیل ہم آزادی کی دلہن بیاہ لانے میں کامیاب ہوگئے، اور ہمارا صدیوں سے اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہوگیا۔اس آزادی کے حصول کے لئے ہم نے انگریز اور ہندو سے چومکھی لڑائی لڑی، اوران دونوں دشمنوں کوشکست فاش دے کر ہم پاکستان کا بے نظیر خطہ پانے میں کامیاب ہوگئے۔اس آزادی کے حصول کے لئے ہم نے خاک وخون کے وہ دریا عبور کئے جن کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں،اس آزادی کو بسانے کے لئے ہم نے اپنے

آبائی وطن گھربار اور آباؤ اجداد کی ہڈیاں تک اس دشمن کے حوالے کر دیں، جس کی وحشت و بربریت سے ہم پوری طرح آگاہ تھے۔ اس لعل بے بہا کو حاصل کرنے کے لئے ہم نے اپنی عزت و ناموس تک کو خطرات کے سپرد کر دیا۔

صدر فیض درجت، مہمان ذی حشم اور حاضرین عالی مرتبت!

ہم نے پاکستان حاصل کر لیا، اپنے ارمانوں کی جنت آباد کر لی، صدیوں کی آرزوؤں کو پروان چڑھتے دیکھ لیا، لیکن کیا ہم نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جس کے لئے تاریخ کی یہ عظیم الشان قربانیاں ہم نے دیں؟ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے، جس کے لئے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ اکسٹھ سال گزر گئے اور ہم اس دشت نوردی میں قیس، فرہاد کی سنت ادا کر رہے ہیں نصف سے زائد صدی ہونے کو آئی مگر ہم اپنی منزل مقصود سے دور بہت دور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ گردش لیل و نہار اکسٹھ سال آگے جا چکی، مگر ہم الٹی زقندیں لگا کر کولہو کے بیل کی طرح وہیں ہیں جہاں سے چلے تھے۔

رہنماؤں کو سجا کر منزلِ مقصود پر
ٹھوکریں کھاتا ہے تاریکی میں ملت کا جلوس
جن بہشتی مقبروں پر ہو گئے روشن چراغ
ملتِ بیضا، یہی تھے چند گنتی کے نقوش

سامعین ذی وقار!

کیا ہم نے آزادی اس لئے حاصل کی تھی کہ شہیدوں کی قبروں پر اپنے قصرِ عالیشان تعمیر کر کے عیش و عشرت کی داد دیں گے؟ کیا ہم نے آزادی اس لئے حاصل کی تھی کہ دخترانِ ملت کے جلوس نکال کر ان کا حسن و جمال زمانے کو دکھائیں گے؟ کیا آزادی اسی کو کہتے ہیں کہ مسلمان برلاؤں اور ڈالمیاؤں کی ایک جماعت تیار ہو جو اپنی سرمایہ داری اور سود خوری سے ملتِ بیضا کا خون چوس چوس کر اپنی توندیں بڑھائے؟ کیا آزادی اس کا نام ہے کہ ایک طرف سر بفلک بلڈنگیں اور دوسری طرف غربت اور خستہ حالی کی یلغار۔ ایک طرف سرمایہ دار کا غرور اور ناز، دوسری طرف بندۂ مزدور کے تلخ اوقاتِ کار، ایک طرف لطفِ خرام، ساقی و ذوق، نوائے چنگ، دوسری طرف بھوکے پیٹ سے شب و روز جنگ، ایک طرف عیش و نشاط کی امنگ ترنگ اور اس کے مظاہر رنگا رنگ، دوسری طرف زندگی کی ہر امنگ بے نصیبی سے ہم آہنگ۔ کیا پاکستان کی جنگ کا یہی وہ نقطہ دلپذیر تھا جس پر آج ہم لٹو ہو رہے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں اسلام کے نظام حیات کی عملداری ہو گی۔ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی آبیاری کی جائے گی۔ سرمایہ دار کی توند سے خون نچوڑ کر غریبوں کی تن پروری کی جائے گی۔ جاگیرداری کا خاتمہ کر کے کاشتکار کی دنیا آباد کی جائے گی۔ گھر، منڈی، بازار اور کارخانے میں خدا کا قانون جاری کر کے اسے دجل و فریب سے پاک کر دیا جائے گا۔ استحصال، جبر اور ظلم کی ہر شکل ملیامیٹ کر کے رکھ دی جائے گی۔ قانون کے دربار میں شاہ و گدا ایک حیثیت کے حامل ہوں گے۔ فرعونوں، نمرودوں اور ہامانوں کے تخت اوندھے کر دیئے جائیں گے اور اقتدار کی باگ ڈور عدلِ فاروقی کے ہاتھ میں ہو گی۔ ایک صالح قیادت برسر اقتدار ہو گی جو زندگی کے چمنستان کو

حدیقۂ ارم بنادے گی!

میر محفل!

ہم سمجھتے تھے کہ ہماری آزاد پالیسی ہوگی اور آزاد سوچ۔ ہم کشکول گدائی لے کر سوال کی حیثیت سے دریوزہ گری نہیں کریں گے بلکہ اپنی روکھی سوکھی کھا کر عزت کی زندگی گزاریں گے۔ ہم غیرت دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کفار نابکار کے ہاتھ نہیں بیچیں گے بلکہ اپنی خودمختاری کے تحفظ اور ناموس کی بقا کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے۔

اب ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود سوچیں کہ کیا ہم نے اپنے وہ مقاصد حاصل کر لئے جو تحریک پاکستان کے محرک تھے اور جن کے حصول کے لئے قائداعظم کی قیادت میں وہ عظیم الشان تحریک اٹھی تھی جس نے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا تھا؟ ان سوالوں کا جواب پاکستان پر فدا ہو جانے والے شہید مانگ رہے ہیں۔ ستلج اور بیاس کی لہروں میں بہنے والا لہو مانگ رہا ہے، لٹی ہوئی عصمتوں کی فریادیں مانگ رہی ہیں، قوم سے حکمرانوں سے اور کشتی ملت کے ناخداؤں سے!!

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

❁

سقوطِ ڈھاکہ

اے محمدؐ گر قیامت سے برآری سرز خاک
سربرآور دیں قیامت درمیانِ خلق بیں

صدر والا تبار و حاضرین ذی وقار!

چمنستان دہر میں ہزاروں آندھیاں چلیں، جنہوں نے گلشن ہستی کے گلہائے شگفتہ اور ناشگفتہ کو پامال کر کے رکھ دیا۔ لاکھوں طوفان اٹھے جنہوں نے تہذیب عالم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ان گنت فتنہ ہائے روزگار نے جنم لیا، جن سے عروسِ ہستی بیوہ کی اجڑی ہوئی مانگ بن کر رہ گئی۔ فتنہ تارتار نے جہاں اسلامی تمدن کے قصرِ ذیشان کو پیوند خاک کر کے رکھ دیا، وہاں صدیوں کی تہذیب وثقافت بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو کر داستان پارینہ بن گئی۔

میر مجلس!

عالم اسلام کا سب سے زیادہ اندوہناک، کربناک اور دل ہلا دینے والا حادثہ سقوطِ بغداد تھا جہاں بارہ لاکھ مسلمان لقمہ اجل بنائے گئے۔ کروڑوں نایاب کتابوں کا دفتر راکھ بنا کر دریائے دجلہ کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیا گیا، اور صدیوں کی عالمگیر سلطنت کو اس طرح پامال کر دیا گیا کہ ان کی المنا کی زبانِ حال سے کہہ رہی تھی۔

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

لیکن سقوطِ ڈھاکہ کا حادثہ اس سے بھی بڑھ کر اندوہناک ہے، کیونکہ اس حادثے نے مسلمانان ہند کی صدیوں کی ساکھ خاک میں ملا دی، یہ حادثہ ایک ایسی قوم کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا جو ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی محکوم رہی تھی، اور نہ جانے کب سے ذلت کی خاک چاٹتی چلی آ رہی تھی، جو ہماری سطوت کا کلمہ پڑھتی رہی اور ہمارے جلالِ جہانبانی کے آگے سرنگوں رہی تھی۔ جو ہمارے زیر سایہ زندگی گزارتی رہی اور ہماری نوازشات پیہم کے ترلقمے کھا کر جیتی رہی۔

اہل بصیرت وحکمت!

پھر یہ حادثہ اس حال میں ہوا کہ ہماری ایک لاکھ فوج غنیم کے چھکے چھڑا رہی تھی، جنگلوں، دریاؤں اور ندی نالوں کی کمین گاہوں میں دشمن کو ناکوں چنے چبوا رہی تھی اور دادِ شجاعت دیتی ہوئی عظمتِ ماضی کو حال کے آئینے میں جلوہ گر کر رہی تھی، یکایک ان مجاہدین اسلام پر بجلی گری، بجا

اسلام آباد کی پہاڑیوں سے ایک فرمان ابرِ قہر آلود بن کر اٹھا اور سندر بن کے چمنستان میں بارش کے بجائے آگ برسا کر اسے بھسم کر کے رکھ گیا، یعنی ہتھیار پھینک کر دشمن کے آگے سرنگوں ہونے کا ذلیل ترین فرمان جاری کر کے خداوندان قوم یعنی غدار ملت نے امت مسلمہ کی ساری تاریخ کے منہ پر سیاہی پھیر دی۔ آہ قائداعظم کا پاکستان دولخت ہو کر رہ گیا۔ علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر دھندلا کر رہ گئی، لختِ دلِ مسلم قاش قاش ہو کر گرے، اور 16 دسمبر 1971ء کے سورج نے پاکستان کے دو خون آلود ٹکڑے دیکھ کر شفق کا لہو اپنے منہ پر مل لیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

صدر گرامی وار بابِ فکر و نظر!

لیکن کیا یہ حادثہ یک بیک رونما ہو گیا؟ نہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ حادثہ ہماری مسلسل کوتاہ اندیشیوں، خود غرضیوں اور اخلاقی پستیوں کا ثمر تھا جو ایک عرصہ کی پیہم نوازشوں سے ہماری جھولی میں پڑا۔ ہم نے آزادی کا مقصد اقتدار کی کرسی کو بنا دیا، جاہ و منصب کا حصول ہمارا منتہائے مقصود ٹھہرا۔ نظریہ پاکستان کا گلا کاٹ کر اس کی ارش پر اپنے اقتدار کے محل تعمیر کیے، مسلسل مارشل لاء لگا لگا کر مشرقی پاکستان کے بھائیوں کے حقوق فوج کے حق میں ریز رو کرا لئے۔ خواجہ ناظم الدین کی آئینی حکومت کو ہمارے ایک مدقوق صدر نے ختم کر دیا۔ دستور ساز اسمبلی توڑ ڈالی اور عدالت سے جبراً اس کی تصدیق کرائی گئی۔ مولوی تمیز الدین صدر دستور ساز اسمبلی کو رسوا کیا گیا، سہروردی کی وردی اتار کر اسے ننگا کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان کے حقوق پر مسلسل ڈاکے ڈال کر اسے مجبور کر دیا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہمیں سلام علیکم کہہ کر رخصت ہو جائے۔

اصحاب گرامی!

پھر ہم نے اسلام کے رشتۂ یگانگت کو جو دونوں ملکوں کو گلے ملانے والا تھا توڑ ڈالا اور انتخاب میں علاقائی تنظیموں کو ووٹ دے کر عملاً پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے میں اپنے مکروہ کردار کا مظاہرہ کیا۔ پھر ہم نے ''ادھر تم ادھر ہم'' کے منحوس نعروں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا اور ان مکروہ عزائم کی تکمیل کے لئے فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور جب سقوط ڈھاکہ کی سکیم مکمل ہو گئی تو اقتدار میں آنے والی مشہور جماعت کے لوگوں نے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے اور ''راج کرے گی خالصہ باقی رہے نہ کو'' کے ترانے گا گا کر بھنگڑا ڈالا۔ اس سے بڑھ کر بے غیرتی کا مظاہرہ چشمِ فلک نے آج تک نہیں دیکھا جو ہماری نیا ڈبونے والوں نے ساری دنیا کو دکھایا۔

صدر محترم و حاضرین مکرم!

اگر اب بھی ہم زخم خوردہ پاکستان کی خیر چاہتے ہیں تو اسے جوڑ کر رکھنے والی چیز صرف اور صرف اسلام کا نظام حیات ہے جو لونی، لسانی اور علاقائی وباؤں کا بہترین تریاق ہے، آؤ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامانِ شفقت میں پناہ لے کر پاکستان کو نا قابل تسخیر حصار بنا دیں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو، زمانہ چال قیامت کی چل گیا

دفاعِ پاکستان

ہم کو تو جان و دل سے اپنا وطن ہے پیارا
اچھا وہ دن ہے جو اس کی خدمت میں گزارا
کہتے ہیں ہم وطن کو آنکھوں کا اپنی تارا
وہ دین ہے ہمارا، ایمان ہے ہمارا
اے مہر یہ سخن ہے دنیا میں سب نے مانا
اپنے وطن سے بہتر کوئی نہیں ٹھکانہ

صدرِ عالی صفات، مہمان ذیشان اور حاضرین فیض انتساب!

وطن ایمان ہوتا ہے اور ایمان کی حفاظت جان سے بڑھ کر کرنا ہر صاحب ایمان کا فریضہ ہے، وجہ یہ ہے کہ جب وطن ہی نہ ہو تو ایمان کیسے محفوظ رہ سکتا ہے، غلامی کا پٹہ جب کسی قوم کے گلے میں پڑ جاتا ہے تو وہ جہاں اپنی تہذیب اور ثقافت سے ہاتھ منہ دھو بیٹھتی ہے، وہاں اپنے دین و ایمان سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔ حکمران اسے بے حس و حرکت اور مفلوج کر کے رکھ دیتے ہیں وہ اٹھتی بھی ہے تو اسے گرا دیا جاتا ہے اور جب گرتی ہے تو اسے پاؤں تلے پامال کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

اصحابِ دانش!

اپنے وطن کی حفاظت ہر محبِ وطن کرتا ہے، لیکن پاکستان جس کی تعمیر میں لاکھوں شہیدوں کا لہو پانی کی طرح بہا، ہزاروں عورتوں کے سہاگ جس کی خاطر اجڑ گئے، ان گنت دوشیزاؤں کی عصمت کے گوہر جس پر تصدق کر دیئے گئے اور جو بنا ہی اسلام کے لئے تھا، اس کے دفاع سے غافل ہونا تو اسلام کے گلے پر چھری چلانے کے مترادف ہے، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ دشمن کو دعوت دینا ہے کہ وہ آئے اور ہماری عزت و آبرو کے ساتھ جس طرح چاہے کھیلے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کے لئے کٹ مرنے کا داعیہ ہر اس انسان میں ہونا چاہئے جو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔

صدرِ محترم وحاضرین مکرم!

دفاع پاکستان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے اندر طاقت کا ایسا خزانہ جمع کریں جو جنگلوں اور پہاڑوں، صحراؤں اور سمندروں، ہواؤں اور فضاؤں میں مدت العمر لڑنے کے بعد بھی ختم نہ ہو۔ ہمارے پاس عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار اور شہادت کا طلب گار وہ لشکرِ جرار ہو جو کفارِ نابکار کو مار مار کر صفحہ ہستی سے مٹادے، ہماری فوج ظفر موج جب میدان میں اترے تو صحرا کا دل دہل جائے، پربت کانپ جائیں اور سمندر ہماری ہیبت سے پانی پانی ہو جائیں۔ ہم اپنے اسلاف کی عظمت کے ستاروں کو ماضی کے آسمان سے اتار کر اپنے مقدر کے فلک کی زینت بنا لیں۔ ہم خالدؓ وحیدرؓ کی یلغاروں کو، ان کے زلزلہ فگن نعروں کو، ان کے محشر انگیز جذبات کو ایک ایک فرد میں منتقل کر دیں، اور ہم صرف اپنی فوج پر ہی تکیہ نہ کریں بلکہ ہم میں ہر فرد ایسا پہاڑ بن جائے جس سے ٹکرا کر دشمن پاش پاش ہو جائے۔ ایسا سیلاب تند و تیز بن جائے جس میں دشمن کی شان و شوکت خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے۔ ایسا طوفان قہر آلود ہو جو عدوئے بد باطن کی تن آوری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، وہ بجلیاں اپنے اندر پیدا کریں جو نعرہ لا تذر لگاتے ہوئے دشمن کا نام ونشان مٹادیں!

اربابِ دانش!

اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیں، اسلام کا نظام حیات اپنے ملک میں جاری وساری کر کے زندگی کی اجڑی مانگ میں افشاں بھر دیں۔ اپنی صفوں میں اتفاق واتحاد پیدا کر کے وحدت قوم کا ناقابل تسخیر حصار قائم کریں۔ لسانی اور صوبائی عصبیتوں کا گلا گھونٹ کر انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیں، ان غلط نظریات کے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں جو ہماری غفلت کیشی سے تناور بن چکے ہیں۔

بھارتی بنیا اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہا ہے، اس کے سر پر محمود غزنوی کے گرز کی وہ ضرب کاری لگائیں جو اس کے سارے سومناتوں کا خاتمہ کر کے رکھ دے۔ وہ ہیبت اور شجاعت پھر لے آئیں جو احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں دکھا کر مرہٹوں کی قوت کا جنازہ نکال دیا تھا۔

صدرِ فیض ترجمان وحاضرین ذیشان!

ہمیں پاکستان کے دفاع کا فرض پکار رہا ہے کہ ہم دنیوی مفاد کو ٹھوکر لگا کر اٹھ کھڑے ہوں، عیش وعشرت کی زندگی کو طلاق دے کر آمادۂ پیکار ہو جائیں، وہ دیکھو سامنے جنت کی حوریں بہشتی لباس پہنے ہماری منتظر کھڑی ہیں ادھر نگاہ ڈالو کملی والے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن شفقت ہمیں آغوش رحمت میں لینے کے لئے تیار ہے۔ ذرا اوپر نگاہ کرو رب ذوالمنن کی نصرت ہمیں انفروا خفافاً وثقالاً کا سرمدی پیغام سنا رہی ہے۔ ساری کائنات کے درخت قلمیں بن کر ہماری فتح و کامرانی کی نوید جریدہ عالم پر ثبت کرنے کو تیار کھڑے ہیں۔

کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی مدد ہو سکتی ہے۔ سنو روحِ اقبال ہمیں اپنے لافانی کلام میں لافانی پیغام دے رہی ہے۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اے کہ ترا جمال ہے حاصلِ بزمِ کائنات

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر و جنید و با یزید تیرا جمال بے نقاب

صدرِ ذی حشم وسامعین مکرم!

رونقِ بزمِ کائنات سے مراد زندگی کے چمنستان میں قوانین الٰہی کی کشتکاری، محاسنِ اخلاق کی نخل بندی، کردارِ حسنہ کی برومندی اور توحید حق کی سربلندی ہے، اور جب ہم ان تمام محاسن کی لہلہاتی اور دل لبھاتی فصلوں کو دیکھتے ہیں تو زبان و قلم ہم زبان ہو کر اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں جسے آقائے نامدار سید الابرار والاحرار محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامِ نامی اور اسمِ گرامی سے معنون کیا جاتا ہے۔

زباں پہ بارِ خدا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

برادرانِ ملت!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے حیات انسانی کی رعنائیاں خزاں کے دستبرد سے پامال ہو چکی تھیں۔ بہارِ زندگی حرحرِ شیطانی کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر چکی تھی۔ جبر و استبداد کی راجدھانی میں ناموس الٰہی کی دھجیاں فضا میں اڑ چکی تھیں۔ اغوائے اخلاقِ انسانی ایک کھیل تھا جو کھیلا جا رہا تھا۔ فراعنۂ مصر اور نمارودۂ عراق کی ذریت طبلِ لمن الملک الیوم دھوم دھڑ کے سے بجا رہی تھی اور انسانیت ان کے مظالم کی چکیوں میں پس کر غبار راہ کی صورت میں تحلیل ہو چکی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحیدِ حق کے گرز سے تمام اصنام باطلہ کا سر کچل کر رکھ دیا۔ باطل مردہ اور زندہ آلہوں کے تختِ اقتدار کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے پامال کر کے ابدی جہنم کے گڑھوں میں پھینک دیا۔ شیطان کی راجدھانی کے فلک بوس محل صاعقۂ شوکتِ شاہانہ سے زمین بوس کر کے سامانِ عبرت بنا دیئے گئے اور ان کی جگہ رب الاعلیٰ کا تختِ اقتدار بچھا کر

فرامین الٰہی کی خوشگوار ہوائیں چلا کر زندگی کے اجڑے ہوئے چمن زاروں کو خلدِ بریں کے گلزاروں میں تبدیل کر دیا۔

وہ جس نے تخت اوندھے کر دیئے شاہانِ جابر کے
بڑھائے رتبے دنیا میں ہر انسانِ صابر کے
وہ جس کے معجزے نے نظمِ ہستی کو سنوارا ہے
وہ جو بے یاروں کا یارا بے سہارا کا سہارا ہے

صدر عالی مرتبت!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصنام باطلہ کی سرکوبی اور توحید حق کی پرچم کشائی کے بعد تطہیر افکار اور تعمیر کردار کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، جسے دیکھ کر تاریخ عالم حیرت کدۂ عالم میں تصویر حیرت بن کر گم صم کھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے لامتناہی سلسلوں کو ایک وحدت کی زنجیر میں پرو کر ایک کل بنا دیا اور ہر کڑی کو اپنے اخلاق پاکیزہ کے کوثر میں دھو کر ایسا مصفا اور مجلی کر دیا کہ سورج چاند کی آنکھیں بھی اس کے جمال جہاں آراء کے آگے خیرہ ہو کر رہ گئیں۔

اربابِ گرامی!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسلی تفاخر، لسانی تجزّ، لونی امتیاز اور دیگر افتخارات کا خاتمہ کر کے اور کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوۃٌ کا عالمگیر درس دے کر محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ آیات قرآنی کے فرامین سنا کر تقویٰ کو معراج انسانیت بنا کر زندگی کی شاہراہوں سے مصنوعی پتھر ہٹا کر، راہِ خدا سے ناہمواریاں ہٹا کر اور غلاموں اور لونڈیوں کی ہمدوش اکابرین بنا کر تیز ترک گام زن منزل مادورونیست کا حدی خواں بنا دیا۔

معاشرتی زندگی کو بے حیائی، عریانی، فحاشی اور اختلاطِ مرد و زن کی نجاستوں سے اس طرح پاک کیا کہ دورانِ بہشتی بھی ان کا جمال دیکھ کر ششدر رہ گئیں، حیاداری کی چادریں زیب تن کرانے کے ساتھ ساتھ محبت، ہمدردی، وفاشعاری اور غمگساری کے زیور سے معاشرے کو اس طرح آراستہ کیا کہ ملائکہ مقربین بھی تمنا کرنے لگے کہ کاش ہم بھی اس دنیا کے مکین ہوتے اور افلاک کی بلندیوں کے بجائے زمین کی پنہائیوں کے مقیم ہوتے تو کیا ہی اچھا ہوتا!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظلم و جبر کی زنجیریں توڑ کر وحشت و بربریت کا سر پھوڑ کر نوع انسانی کا رشتہ رحمت حق سے جوڑ کر دنیائے ہست و بود کو بہشت لازوال کی صورت میں جلدہ طراز کر دیا۔ آزادی و حریت اور تنقید و احتساب کا دروازہ اس طرح کھولا کہ خلیفہ وقت کا محاسبہ بھی ایک بدو سرِ عام کرنے لگا، اور حجرۂ مستورات سے ایک عورت بر سرِ عام عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو چیلنج کرنے لگی۔

الغرض سادگی کو شعارِ زندگی بنا کر غرباء و یتامیٰ کی دستگیری فرما کر غلاموں کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر اسوۂ حسنہ کے آئینے میں رخ پرنور دکھا کر دنیا کو اس طرح والا و شیدا بنایا کہ آج تک تاریخ عالم اس دورِ سعید کی یاد میں رطب اللسان ہے اور صدق دل سے بدرگاہِ مجیب الدعوات دست انابت بامید اجابت دراز کر کے عرض پرداز ہے۔

ہاں دکھا دے اے تصور و صبح و شام نو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام نو

درچپ وراست سے یہ صدا بلند ہورہی ہے۔

"اے کہ ترا جمال ہے رونقِ بزمِ کائنات"

عشق کا شین (I)

کتاب گھر پر **عشق کا عین** پیش کرنے کے بعد اب پیش کرتے ہیں **عشق کا شین** ۔عشق مجازی کے ریگزاروں سے عشق حقیقی کے گلزاروں تک کے سفر کی روداد......علیم الحق حقی کی لازوال تحریر۔**عشق کا شین** کتاب گھر کے **معاشرتی رومانی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

عشق کا شین (II)

کتاب گھر پر **عشق کا عین** اور **عشق کا شین** پیش کرنے کے بعد اب پیش کرتے ہیں **عشق کا شین(II)** عشق مجازی کے ریگزاروں سے عشق حقیقی کے گلزاروں تک کے سفر کی روداد......امجد جاوید کی لازوال تحریر۔**عشق کا شین(II)** کتاب گھر کے **معاشرتی رومانی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

عشق کا شین (III)

عشق کا عین اور **عشق کا شین** کے بعد کتاب گھر اپنے قارئین کے لیے جلد پیش کرے گا...... **عشق کا شین(III)** ۔ ناول ایک مکمل کہانی ہے۔امجد جاوید کی لازوال تحریروں میں سے ایک بہترین انتخاب۔**عشق کا شین(III)** کتاب گھر کے **معاشرتی رومانی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکے گا۔

حقوق العباد

خوبی صورت سے بھی اس کو نہیں کوئی غرض
وہ بشر کو جانچتا ہے نیکی اعمال سے

صدرِ عالی مرتبت وحاضرین گرامی منزلت!

ایک مسلمان جہاں حقوق اللہ کا پاسدار ہے، وہاں حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی ذمہ دار ہے، بلکہ فرمانِ خداوندی ہے:

''میں اپنے حقوق تو معاف کر سکتا ہوں لیکن بندوں کے حقوق نظر انداز نہیں کر سکتا''۔

علامہ اقبال نے سماجی خدمت کی فضیلت کو کتنی خوبصورتی سے شعر میں ڈھالا ہے۔

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو، خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

جبکہ حالی نے یوں فرمایا۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

سامعین ذی وقار!

اگر ہم حقوق العباد کو اہمیت نہ دیں تو معاشرہ ظلم و ناانصافی کا گہوارہ بن جائے اور امن وسکون تباہ و برباد ہو جائے، ہمارا فرض ہے کہ اہل وطن کے حقوق کا برابر خیال رکھیں۔ والدین، اساتذہ، ہمسائیوں، رشتہ داروں، دوستوں، مہمانوں، بوڑھوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں، حاجت مندوں حتیٰ کہ گداگروں تک کے حقوق کی پاسداری کو قومی و دینی فریضہ جانیں اور ان کی راحت و مسرت کے لئے ایثار کا مظاہرہ کریں۔

دل کسی کا ہاتھ میں لے حج اکبر جان لے
ایک دل کو لاکھ کعبوں کے برابر جان لے

اربابِ گرامی!

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص سے کبھی راضی نہ ہوں گے جو دکھی انسانوں کی خدمت کے بجائے

ان کی زحمت کا باعث بنتے ہیں یعنی بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کا حق مارتے ہیں اور ان کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''جو یتیم کا مال کھائے گا اس پر وبال آئے گا''

نیز بندوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے والوں کے لئے خوشخبری یوں سنائی:

''بیوہ اور مسکین کے لئے بھاگ دوڑ کرنے والا اجر کے اعتبار سے اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد اور روزہ رکھے اور رات بھر نماز پڑھتا رہے''۔

آیئے!

آج عہد کریں کہ مسلمان ہونے کے ناطے اپنے فرض منصبی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حقوق العباد سے صرف نظر نہیں کریں گے، بلکہ سماجی خدمت کو عبادت کا درجہ دیتے ہوئے ہر اپنے پرائے کی فلاح و بہبود کے لئے ہمہ تن مصروف رہیں گے کیونکہ

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

صدر عالی مرتبت و حاضرین گرامی!

آج کا انسانی معاشرہ ایسے افراد سے بھرا پڑا ہے جو حقوق اللہ کی آڑ میں حقوق العباد کو سلب کر لیتے ہیں، نیز بظاہر بڑے پرہیزگار، متقی اور نیکوکار دکھائی دیتے ہیں لیکن بباطن غریبوں اور یتیموں کا مال اڑانے اور حق داروں سے ناانصافی برتنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کرنے والے اور نیکی و پارسائی کا درس دینے والے بڑے سخت گیر واقع ہوئے ہیں، وہ بچوں اور ماتحتوں سے ایسا سلوک کرتے ہیں کہ ان سے جانور بھی پناہ مانگتے ہوں گے اور شاید عذاب الٰہی ان پر ٹوٹ پڑنے کے حکم کا منتظر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے علماء، معلمین اور واعظین کی اولادیں انہیں اپنا دوست نہیں، دشمن سمجھتے ہیں اور لحہ بہ لحہ ان کی محبت سے گریز کرتی ہیں۔

آج دنیا میں وہی لوگ اور قومیں عزت مند اور شہرت مند ہیں جو دوسروں کے لئے مصروف عمل ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے دنوں کا چین اور راتوں کی نیند برباد کر کے دکھی انسانیت کی بھلائی اور فلاح و بہبود کے لئے مصروف خدمت ہیں تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ کون ہے جو ہیلن کیلر، مدر ٹریسا، باؤن پول، سر گنگا رام، عبدالستار ایدھی اور انصار برنی کے کارہائے نمایاں کو فراموش کرے اور کون ہے جو لائنز کلب، روٹری کلب، ایمنسٹی انٹرنیشنل کی عظمت و رفعت کے گن نہ گائے؟ تاہم۔

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اور بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اقبال کا پیغام بچوں کے نام

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

صدرِ عالی مرتبت وحاضرین خوش بخت!

عظیم فلسفی، مفکر اور شاعر حضرت علامہ محمد اقبال نے جہاں نوجوانوں، بوڑھوں، عورتوں، سیاستدانوں، مذہبی رہنماؤں اور بیوروکریٹس کو اپنی شاعری سے صراطِ مستقیم دکھا کر ان کا نشانِ منزل متعین کرنے کی کوشش کی ہے، وہاں آپ نے بچوں کی بھی رہنمائی فرما کر انہیں زندگی کی ایک خاص سمت عطا فرما دی جس کا واضح ثبوت آپ کی مختلف نظمیں ہیں جو آپ نے موقع بہ موقع طفلانِ وطن کے لئے لکھیں اور پڑھیں۔

اربابِ ذی شعور!

اپنی ایک مشہور نظم ''مکڑا اور مکھی'' میں علامہ اقبال نے خوشامد جیسے قبیح انسانی دشمن عنصر پر روشنی ڈالی ہے، یعنی دشمن اپنے شکار کے لئے جو سب سے مہلک ہتھیار استعمال کرتا ہے، وہ اس کی خوشامد ہے، خوشامد سے حریف خوش ہو جاتا ہے اور وہ اپنے دشمن کے زنغے میں آ پھنستا ہے لہٰذا ہمیں خوشامدی افراد سے چوکنا رہنا چاہیے کہ کہیں وہ ہمیں دھوکہ تو نہیں دے رہے بقول شاعرِ مشرق ؎

سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندہ

صدرِ محفل!

خداوند کریم نے دنیا میں کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی اور ہر شے کو اس کی ضرورت کے مطابق صلاحیتیں دے دی ہیں اس میں فخر کرنے کی کیا ضرورت ہے، کیونکہ اگر کسی چیز میں کوئی خوبی ہے تو دوسری شے میں کوئی خوبی، نظم ایک پہاڑ اور گلہری میں علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

صدرِ عالی مرتبت وحاضرین گرامی منزلت!

کسی بھی انسان کا افضل ترین ہونا اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے کس حد تک کام آ سکتا ہے! وہ ہمدردی اور اخوت کے جذبہ

سے اس وقت تک سرشار ہو سکتا ہے جب وہ علم کی دولت سے مالا مال ہو۔ نظم بچے کی دعا میں حکیم الامت فرماتے ہیں۔

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
مرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس راہ پہ چلانا مجھ کو

سامعین ذی وقار!

انسان کو کبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ذراسی کوئی چیز اس کے کوئی کام نہیں آسکتی، کسی وقت حقیر چیز بھی مددگار و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ نظم ہمدردی میں علامہ اقبال نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا رات سر پہ آئی
اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا

صدر مجلس، معزز احباب گرامی اور میرے ہم مکتب بھائیو!

علامہ اقبال کی بچوں کے لیے لکھی جانے والی ایک اور نظم "پرندے کی فریاد" بھی اپنی مثال آپ ہے، جو اپنے وطن سے محبت جیسے جذبے سے لبریز ہے، چنانچہ ہر ذی روح کے لیے اس کا اپنا وطن اور پھر وطن میں اس کا اپنا ہی گھر جنت نظیر ہوتا ہے۔ غیروں کی غلامی میں بظاہر کیسا ہی آرام و سکون کیوں نہ میسر ہو وہ بے مزہ ہی ہوتا ہے۔

صدرِ محفل!

ہمیں چاہئے کہ کلام اقبال کی روح کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ علامہ اقبال کے پیغام میں جوش وولولہ اور ان تھک محنت کا درس ملتا ہے، جو نونہالانِ وطن کے لئے از بس ضروری ہے، اور ان کی سوچ میں پاکیزگی اور طہارت جیسے عمدہ اوصاف پیدا کرنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ علامہ اقبال بچوں کے لئے اتفاق کا پیغام، اتحاد کا پیغام، کوشش کا پیغام اور محبت کا پیغام لائے۔ علامہ اقبال جیسے فلسفی اور مفکر دنیا میں بار بار نہیں آتے۔ آخر میں ایک دعا کہ شاعر مشرق نے سب کے لئے یہی خوبصورت پیغام چھوڑا ہے۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

اقبال کا شاہین

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

معزز صدر جلسہ وارباب دانش وحکمت!

علامہ اقبال نے لفظ شاہین کو اپنی شاعری میں اکثر و بیشتر استعمال کر کے یہ اظہار کیا ہے کہ یہ پرندہ خاص اہمیت رکھتا ہے، اپنی صفات میں نہ صرف دوسرے پرندوں سے جدا ہے بلکہ اعلیٰ وارفع بھی ہے اور مقبول ومنظور بھی۔

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

دوستانِ عزیز!

اقبال نے پرندوں کی دنیا کے اس درویش یعنی شاہین کو دراصل اپنے آئیڈیل کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جس کو ابلاغ کی حسین ترکیبوں، دلکش استعاروں اور تشبیہ کی رعایتوں کے ساتھ اپنے کلام کا جزوِ اعظم بنایا ہے اور وہ ہے مردِ مومن...... انسانِ کامل...... پکا سچا مسلمان...... ایک غیرت مند نوجوان۔

صدرِ گرامی منزلت ومہمان ذیشان!

شاہین وہ پرندہ ہے جس کی پرواز میں پستی نہیں بلندی ہے جس کی نگاہوں میں کوتاہی نہیں وسعت ہے۔ جس کے عمل میں کاہلی نہیں برق رفتاری ہے۔ جس کی روح میں بے قراری ہے، جس میں محتاجی نہیں، طاقت ہے، جس میں لالچ نہیں قناعت ہے، جو اپنی خودی سے غافل نہیں اس کا محافظ ہے۔ جس کی ذہنیت میں غلامی نہیں، آزادی ہے، جو کسی کا شکاری ہے اور جس کا لہو سرد نہیں ہر لحظہ گرم ہے بلکہ اس کے لئے تو

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

حاضرین محفل!

اقبال کے اس شاہین کو محض کسی شکار کا لالچ نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اسے ایک کھیل یا ایک شغل کے طور پر اپناتا ہے، جو اس کی جان و روح کی بیداری کو برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی آئندہ نسل سے بھی یہی توقع رکھتا ہے، اور اپنے بچے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں
جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

اس طرح اقبال شاہین کی زبان میں گویا ہیں۔

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں یوں بھی
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ

صدر عالی مرتبت و سامعین گرامی منزلت!

غرض شاہین خوددار ہے، غیور ہے اور بہادر ہے، وہ کسی مصیبت سے نہیں گھبراتا بلکہ مشکلات کو دعوت دیتا ہے، ہر قسم کے خطروں کو للکارنا اس کا شیوہ ہے، کیونکہ اس طرح اسے جرأت و بے باکی اور عظمت و ناموری کے جوہر حاصل ہوتے ہیں۔

ارباب دانش!

اس شاہین یعنی جواں مرد کا اقبال متلاشی ہے، وہ قوم مسلم کے ہر فرد کو شاہین صفت دیکھنے کا آرزو مند ہے، وہ اسے خوددار، غیرت مند، سخت شعار، جرأت مند، وفادار، دردمند اور خدمت گزار بنانا چاہتا ہے۔ اس کی نگاہوں میں اسلاف کے عمدہ کردار کی رنگارنگ تصویریں اور تاریخ اسلام کی دلکش تحریریں ہیں۔ جہاں پرچم حق و صداقت کو سربلند رکھنے کی خاطر مسلم نوجوان کبھی صلاح الدین ایوبی کی صورت میں نعرہ زن ہے تو کبھی ٹیپو سلطان کی شکل میں جلوہ فگن ہے۔

صدر مکرم!

وہ آزادی کا متوالا ہے، خودی کا محافظ ہے، عہدہ سے بے نیاز ہے، لالچ سے گریزاں ہے۔ غرض دنیا کی ہر نعمت، پیشکش، منصب، جاہ و

وجاہت اسے راہ حق سے برگشتہ نہیں کر سکتی کہ وہ انہیں پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے۔

اے طائرِ لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

وہ ہر لحظہ شاندار ماضی سے سبق حاصل کرنے اور حال کو تابناک بناتے ہوئے حسین مستقبل کی زندہ و جاوید داستان بننے کے لئے مصروف عمل رہتا ہے، کیونکہ وہ تمام تر محرومیوں اور مجبوریوں سے مایوس ہونے کے بجائے جہد مسلسل اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتا ہے اور منازل کامرانی طے کرتا چلا جاتا ہے۔

تیرا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں، فرشتہ و حور
کہ شاہین شہ لولاکؐ ہے تو

نقل ایک لعنت ہے

نقل کرنے اور کرانے کی عادت چھوڑیے
کیجئے خوفِ خدا یہ کارِ ذلت چھوڑیے
کاروبارِ نقل سے علم و ادب کا ہے زیاں
ملک و ملت کا خسارہ ہے یہ لعنت چھوڑیے
علم کی جو شمع سینے میں ہے وہ بجھ جائے گی
چھوڑ دیجئے یہ اندھیرا گھپ، یہ ظلمت چھوڑیے

صدر عالی وقار و حاضرین والا تبار!

بے ایمانی، کم ہمتی، نقب زنی اور گیدڑ کی زندگی جب یہ چار عناصر صورت پذیر ہو کر ایک ہیولی کی شکل اختیار کرتے ہیں تو عرفِ عام میں اسے نقل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا روگ ہے جو ملک و ملت کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو انسان کی صلاحیتوں کو زنگ آلود، اس کے ارادوں کو مضمحل، اس کے عزائم کو سرنگوں اور اس کی خودی کو ملیامیٹ کر کے قومی ترقی کی جڑ پر تیشہ چلا دیتا ہے۔

حاضرین باتمکین!

نقل کرنے والا طالب علم کارگہ حیات میں وہ کند ہتھیار ثابت ہوتا ہے۔ جس سے کوئی معرکہ سر نہیں ہو سکتا اور وہ ہر مقام پر شکست خوردگی کی لعنت کا ہار اور رسوائی کا طوق اپنے گلے کی زینت بناتا ہے۔ قوم کی زندگی اور بقاء اس کی ترقی اور نشوونما، اس کا عروج اور منتہا ہمیشہ فاضل اور علم و فن میں یگانہ روزگار لوگوں کی صلاحیتوں کا مرہونِ منت ہوا کرتا ہے۔ لیکن نقل سے جعلی ٹھپا لگانے والا انسان کارگاہِ حیات میں زنجک چاٹی ہوئی توپ ثابت ہوتا ہے جو عین وقت پر دغا دے جاتی ہے۔

نقل کر کے فضیلت کا تاج سر پر رکھنے والا انسان ایک بہروپیا ہے، جس نے اپنی جہالت کو چھپانے اور پیٹ پوجا کے لئے یہ بہروپ اختیار کیا ہوا ہے۔ زمانے کا صراف جب اسے کسوٹی پر کستا ہے تو پہلے ہی رگڑے میں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں اور اس کی ملمع سازی کا راز فاش ہو جاتا ہے۔

ارباب دانش!

نقل کرنے والا طالب علم ایک چور ہے، جو دوسروں کی علمی دولت لوٹ کر گھر لے اڑاتا ہے۔ وہ ایک پست ہمت انسان ہے جو دوسروں کے زور بازو سے پہلوان بنتا ہے، وہ کمینگی کا ایک روپ ہے جو انسان کی صورت پذیر ہو کر ملکی دولت سے متمتع ہوتا ہے وہ ایک رستا ہوا ناسور ہے، جس کی سڑاند سے معاشرے کا دل و دماغ چکرانے لگتا ہے۔ وہ علم و ادب کی دنیا میں ایک زندہ لاش ہے، جو کہاروں کی ڈولی میں بیٹھ کر اور جعلی زیور سے آراستہ ہو کر ایک دلہن کی شکل اختیار کر رہی ہے، لیکن جب اس کا پیا پیار سے اس کے رخِ زیبا سے پردہ اٹھاتا ہے تو وہ اسے بھیانک شکل کی چڑیل میں پاتا ہے۔

صدر مجلس واصحاب علم!

ہمیں قائداعظم کی انتھک محنت اور شہیدوں کی قربانیوں نے آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا، ہمیں پاکستان کی شکل میں جنت کا ایک ٹکڑا ملا جو اپنی بقا اور استحکام کے لئے اعلیٰ درجہ کے وہ سائنسدان مانگتا ہے جو اپنی صلاحیتوں سے ایک نیا جہان تعمیر کر کے دشمن کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیں، وہ بے پناہ قابلیت کے حامل فلسفیوں کا طالب ہے، جو فلسفے کے پر لگا کر فلک نیلگوں کی پنہائیوں میں غوطہ زن ہوں، وہ اعلیٰ کوالٹی کے مدبروں کا محتاج ہے جو اپنی تدبیر جہانبانی سے زندگی کی پیشانی کو تابدار بنا دیں۔ وہ ان معمارانِ قوم کی تلاش میں ہے جو موجودہ نسل کو شاہین و عقاب بنا کر جوِ سما میں محو پرواز کر دیں وہ مختلف علوم وفنون کے بحرِ ذخار کا خواہاں ہے، جس کی گہرائیوں سے لولوے لالہ نکلتے چلے جائیں، اور قوم ان کو گلے کا ہار بنا کر سر افتخار بلند کر سکے، وہ ایسی مشاطۂ دوراں کی جستجو میں ہے، جو اس کی اجڑی ہوئی مانگ کو اپنے شانۂ تدبیر سے سنوارے اور اسے حسن و جمال کے پیکر دلنواز میں جلوہ طراز کر دے۔

لیکن لعنت ہو نقل پیشہ افراد کہ یہ ہمیں جعلی سائنسدان عطا کر رہے ہیں، یہ جھوٹے فلسفی مہیا کر رہے ہیں، یہ شاہین و عقاب کو خاکبازی کا درس دینے والے معلم بنا رہے ہیں، یہ ڈگریوں کے ٹھپے لگا لگا کر جاہلوں کی ٹیم فراہم کر رہے ہیں، یہ مردان اولوالعزم کے بجائے ہیجڑوں کا غول بیابانی قوم کی محفل میں بھیج رہے ہیں، یہ ملک کی دولت غارت کر کے صبح بنارس اور شام اودھ بنانے والے افسر پیدا کر رہے ہیں۔ یہ کام چوروں، دوں ہمتوں، پست خیالوں کی ایک کھیپ اٹھا رہے ہیں جو ملک وملت کا سفینہ غرقاب کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

صدر ذیشان وارباب فیض ترجمان!

سخت کوشی سے تلخ زندگانی انگبیں بنتی ہے، لیکن یہ بے محنت ومشقت شہد کے کپے اپنے حلق میں انڈیلنا چاہتے ہیں۔ کانٹوں کے زخم کھائے بغیر یاسمین وگلاب کے ہار نہیں ملتے، لیکن یہ دوں ہمت دوسروں کے سر سے سُبدِ گل اڑانا چاہتے ہیں، علم وادب کی دولت راتوں کی نیند حرام کر کے اور اپنے بدن کے تیل سے چراغ روشن کر کے ملتی ہے، لیکن یہ خواب شیریں کے مزے لوٹ کر فرہاد کوہ کن کا سرمایہ لوٹ لیتے ہیں۔ چناب کی لہروں سے کشتی لڑے بغیر یہ سوہنی کا وصال حاصل کر لیتے ہیں اور مہینوال بے چارے اپنے جگر کے کباب بنا کر محرومِ وصال رہتے ہیں۔

صدر ذی حشم!

ہمیں دریا کی تند وتیز موجوں سے لڑنا ہے اس کے لئے تجربہ کار ملاحوں کی ضرورت ہے، ہمیں پاکستان کا نام اقصائے عالم میں بلند

کرنا ہے۔ اس کے لئے بہترین صلاحیتوں کے حامل افراد درکار ہیں، لیکن نقلی سکے، جعلی نوٹ، دکھاوے کے بہروپیے ہمارے کسی کام کے نہیں! لہٰذا ہمیں پوری دیانتداری سے یہ تمام جعلی کاروبار ٹھپ کر کے حقیقت کے رنگ میں جلوہ گر ہونا چاہئے۔

ہماری حکومت کروڑوں روپیہ تعلیم پر صرف کر رہی ہے۔ اساتذہ کرام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے مقدور بھر فریضہ انجام دے رہی ہے، اب یہ اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ انتھک محنت کر کے ملک میں طوسی و رازی پیدا کریں، جوہر اور فردوسی اٹھائیں، قائداعظم اور علامہ اقبال کو جنم دیں، کیمیا گر اور سائنسدان ابھاریں، بچوں کی خفیہ صلاحیتوں کو جلا بخشیں اور انہیں علامہ اقبال کا درس خودی دے کر غیور و خوددار بنائیں۔ جعلی ٹھپے لگا کر کاغذی سکے چلانے کا کاروبار ختم کر دیں اور حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبال کے اس قول کو حرز جاں بنالیں۔

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا

ارباب دانش!

آیئے، نقل کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک تند و تیز مہم چلائیں اور ظلمتوں کا سینہ چیر کر صبح نو کا نورانی چہرہ دنیا کو دکھائیں۔ وطن عزیز کو پیاروں کا مسکن بنا کر دم لیں اور نقلی بہار کو جو دراصل خزاں کی مکروہ تصویر ہے، جوتے مار مار کر دیس سے باہر نکال دیں۔

اٹھ کے خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

❁

یومِ خواندگی

ترقی کی رنگیں فضا علم ہے
تقدم کی بادِ صبا علم ہے
جہالت ہے بیروزگاری کی جڑ
شجر آبرو کا سدا علم ہے

صدرِ عالی مرتبت وحاضرین گرامی منزلت!

کسی بھی یوم کو منانے کا مقصد متعلقہ موضوع کے حوالے سے اس دن کی اہمیت اجاگر کرنا، فرد و معاشرہ کو شعور و آگہی عطا کرنا اور ترقی و خوشحالی کے امکانات روشن کرنا ہے کہ ایک کامیاب انسان اور منظم معاشرہ ہی جہالت و پسماندگی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے دور کر سکتا ہے۔ آج پوری دنیا میں یوم خواندگی بڑے انتظام وانصرام، جوش وخروش اور خلوص واحترام سے منایا جارہا ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ خواندگی کی خیر و برکت اور ناخواندگی کی ذلت وندامت سے متعارف کرا کے آدمی کو تعلیم وتعلم کے حصول پر آمادہ وراغب کیا جائے۔ خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں شرح خواندگی بڑھانا اس کا مطمع نظر ہے۔

معزز سامعین!

پاکستان بھی ایک پسماندہ ملک ہے جس کی خواندگی کی شرح، افسوسناک بلکہ خوفناک حد تک کم ہے اور اس میں خاطر خواہ اضافہ سب سے بڑا تقاضا ہی نہیں ہمارا ملی فریضہ بھی ہے کیونکہ نصف صدی کا طویل عرصہ گزارنے کے باوجود پاکستان کی شرح خواندگی بمشکل دوگنی ہوئی ہے، جو 30 فیصد ہے اور یہ ریٹ کسی بھی دوسرے ملک سے کم ہے، جو ایک المیہ ہے۔ لہٰذا

نئی زمیں، نیا آسمان بناتے چلو
قدم بڑھاتے چلو، راستے بناتے چلو
وطن کی آن ہے تم سے غیور راہرو!
مرے وطن کے رفیقو، عزیز ہم نفسو!

صدرِ فیض ترجمان، مہمانانِ عالی وقار اور سامعین ذیشان!

اس سے قبل کہ میں آج کے دن کی مناسبت سے خواندگی پر سیر حاصل بحث کروں، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے بزرگوں اور ہم عمر ساتھیوں خصوصاً طالب علموں کو بتاؤں کہ ''خواندگی'' کسے کہتے ہیں، یعنی خواندگی کیا ہے؟

حاضرین عالی!

عموماً خواندگی سے افراد کے پڑھنے لکھنے کی استعداد و صلاحیت مراد لی جاتی ہے، جو شخص چھپے ہوئے الفاظ پڑھ سکتا ہے اور خود انہیں لکھ سکتا ہے، گویا وہ خواندہ ہے۔

ماہرین تعلیم کے نزدیک خواندگی کا بنیادی عنصر (Thought Fulness) یعنی تدبر ہے کہ انسان کسی بھی معاملے میں غور و فکر کر سکے اور مسائل کا تجزیہ کر کے ان کا حل تلاش کر سکے جسے دین میں تدبر اور تفکر کا نام دیا گیا ہے۔ گویا خواندگی محض پڑھنا لکھنا ہی نہیں اس میں لکھنا اور حساب کتاب کرنا بھی شامل ہے۔ انگریزی زبان میں خواندگی کا متبادل لفظ (Literacy) ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے لاطینی (Littera) سے ماخوذ ہے جو انگریزی میں (Letter) ہے، جس کے معنی حروف شناسی کے ہیں۔ نیز خواندگی کے لئے تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور تعلیم دراصل اپنی تہذیبی وراثت اور قومی ثقافت کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا عمل ہے، جس سے ذہنی و جسمانی اور اصلاحی نشو و نما الگ افادے کا ذریعہ ہے۔

صاحب صدر و حاضرین مجلس!

دین اسلام میں مہد سے لحد تک علم حاصل کرنا مرد و زن پر حصولِ علم کا فرض ہونا، علم کی جستجو میں چین جیسے دور دراز ملک کا رخ کرنا، تلاشِ علم کی واپسی تک راہ اللہ قرار دینا، علم کے لئے مرنے کو شہادت کا درجہ دینا، بوجہ علم، عالم کو عابد پر فضیلت دینا، علم کی کمی کو قیامت کے آثار کہنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحریر و کتابت کو اہمیت دینا، قرآن میں ''علمہ القلم'' اور ''علمہ البیان'' کا فرمان ملنا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بطور معلم دنیا میں تشریف لانا اور پھر علم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ''رب زدنی علما'' کی دعا پڑھنا، تعلیم و خواندگی کی روشنی بڑھانے اور جہالت و خواندگی کی ظلمتوں کو گھٹانے کی طرف بلیغ اشارے ہیں، بلکہ

شبوں کی زو سے نئے راہبر نکلتے گئے
ترے چراغ سے کتنے چراغ جلتے گئے

صدر ستودہ صفات و معزز خواتین و حضرات!

جہاں تک وطن عزیز کا تعلق ہے تو تعلیم کے میدان میں ہمارے چاروں صوبوں میں سندھ سب سے آگے ہے، جبکہ صوبہ بلوچستان سب سے پیچھے ہے اور دیہی علاقوں کی صورت حال مزید پریشان کن ہے کہ کسی بھی گاؤں میں تعلیمی سہولتوں کی کمی کے باعث ناخواندگی عروج پر ہے۔

احباب گرامی!

اگر ہم اپنے ملک کی خواندگی کی کیفیت کا جائزہ لیں تو حیرت ہوتی ہے کہ بے پناہ مالی ذخائر و وسائل بڑے بڑے منصوبوں اور بلند و بانگ وعدوں کے باوجود ہم جوں کے توں ہیں جبکہ دیگر ممالک میں جو زیادہ ترقی یافتہ بھی نہیں ہم سے بہت آگے ہیں۔

صدر گرامی منزلت!

خواندگی کم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ تعلیم لازمی قرار دی جائے اور یہ لوگوں کو مفت میسر آئے جیسا کہ دوسرے ممالک میں رواج ہے، اگرچہ ہمارے آئین میں بھی یہی لکھا ہے کہ میٹرک تک کی تعلیم ریاست کی ذمہ داری ہے، لیکن یہاں ایک عام بچہ کسی صورت بھی تعلیم حاصل نہیں کرسکتا، جو شخص پانچ سات بچوں کا پیٹ پالنے کی استطاعت نہیں رکھتا، وہ ان کی کتابوں، کاپیوں، یونیفارم اور معیاری صحت وخوراک حتیٰ کہ جبری ٹیوشن کا اہتمام کیسے کرسکتا ہے؟ بلکہ اب تو میرے دیس کے بچوں کا یہ حال ہے۔

افلاس نے بچوں کو ہے تہذیب سکھا دی
سہمے ہوئے رہتے ہیں شرارت بھی نہیں کرتے

ارباب فکر و دانش!

شرح خواندگی بڑھانے میں ابتدائی مدارس یعنی پرائمری تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جہاں 5 سے 10 سال کی عمر کے بچے اور بچیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہوتی ہیں۔ ان میں 45 فیصد داخلہ لیتا ہے اور وہ بھی آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جن میں سے اکثر ادھوری تعلیم لئے روانہ ہوتے ہیں گویا ''نیم حکیم خطرہ جان'' کی علامت بن جاتے ہیں۔

1947ء کے بعد پرائمری مدارس کی تعداد میں دس گنا اضافہ ہوا اور اب ان کی کل تعداد 76 ہزار ہے جبکہ چھ ہزار مڈل سکول اور مکتب سکول اور روشنی سکول اس کے علاوہ ہیں جن کی موجودگی یا کارکردگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ہاں محکموں میں گرانٹیں استعمال ہوتی اور اساتذہ کو تنخواہیں تو برابر ملتی ہیں، قوم اور عوام خواہ بھاڑ میں جائیں۔

ان کے علاوہ ہمارے ملک میں ان پڑھ افراد کی تعداد 4 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے جن کے لئے پانچ ہزار مراکز تعلیم بالغاں قائم ہیں وہ کہاں ہیں اور کس حد تک بڑے بوڑھے استفادہ کرتے ہیں؟ اس امر سے شاید کوئی آشنا نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

صدرِ گرامی منزلت!

خواندگی نہ صرف انفرادی لحاظ سے نقصان دہ اور تباہ کن ہے بلکہ اجتماعی طور پر بھی نہایت مضر اور پریشان کن ہے۔ اس سے معاشرتی سطح پر بے پناہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جہاں ان پڑھ والدین اپنے بچوں کی نگہداشت، صحت و خوراک، تعلیم و تربیت اور اعلیٰ ماحول کی دستیابی کے ناقابل اور بے بہرہ ہونے کی وجہ سے انہیں ذہنی و جسمانی اور اخلاقی و روحانی اعتبار سے معذور اور مجبور کر دیتے ہیں، وہاں بچے بھی غیر تعلیم یافتہ ہونے کی بدولت جاہل، اجڈ، چور، ڈاکو، لٹیرے اور رسہ گیر وغیرہ بن کر عوام کی زندگی اجیرن بنا دیتے ہیں، نیز یہی اخلاق رذیلہ اپنی اولاد میں منتقل کرنے کے مجرم بنتے ہیں جو کہ قومی بربادی کی واضح دلیل ہے۔ ایسے میں ان افراد سے قومی سلامتی، عوامی خوشحالی، اقتصادی ترقی اور اخلاقی سربلندی کی توقع عبث ہی نہیں غلط فہمی اور خوش فہمی بھی ہے بلکہ ان حالات میں ہماری مثال اس کبوتر کی سی ہے جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ شاید وہ اسے نظر انداز کر دے گی۔

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقامِ شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب
اگرچہ میرے نشیمن کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طائرِ چمن کا نصیب

اربابِ فکر و دانش!

اگر ہم چاہتے ہیں کہ بساط عالم میں عزت و عظمت کا مقام پائیں اور تہذیبی اور اقتصادی لحاظ سے کسی دوسری قوم کے محتاج نہ ہوں تو فروغ علم کے لئے جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، نیز لازم ہے کہ وہ تمام اسباب جو خواندگی کی راہ میں بصورت دیوار حائل ہیں، نہ صرف تلاش کئے جائیں بلکہ ان کا تدارک بھی فوری عملی اقدام کا مرہون منت ہے۔

صاحبِ صدر!

میری حقیر رائے میں ان وجوہات میں، آبادی میں روز افزوں اضافہ، تعلیم کی ناقدری، غلط انتخاب مضامین، بے جوڑ نصاب، تعلیم و نظامِ امتحان، میلان طبع کے خلاف حصول تعلیم، ترک تعلیم، بیروزگاری، معاشی و اقتصادی مجبوری اور ناقص منصوبہ بندی وغیرہ شامل ہیں، نیز خواندگی کو عام کرنے میں ہر پاکستانی خصوصاً ہر طالب علم اور طالبہ کو چاہئے کہ وہ میٹرک کرنے تک کم از کم ایک ناخواندہ کو ضرور تعلیم یافتہ بنائے بلکہ اس وقت تک اسے سند نہ دی جائے جب تک ایک فرد کو تعلیم سے آراستہ نہ کرے۔

اسی طرح دینی اداروں کے مرد و زن کا بھی فرض ہے کہ وہ ایک ایک آدمی کو تعلیم دیں بلکہ فری ایجوکیشن سنٹرز اور تعلیم بالغان کے مراکز قائم کئے جائیں اس سلسلہ میں سماجی و معاشرتی ادارے بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں خصوصاً سرکاری ملازمین روزانہ گھنٹہ دو کے لئے یہ ذمہ داری بآسانی نباہ سکتے ہیں۔

دوستانِ عزیز!

ان مثبت اور ٹھوس اقدامات سے یقیناً ایسا وقت ضرور آئے گا، جب ہمارا ملک بہتر شرح خواندگی والے ان ممالک کے مقابل کھڑا ہو جائے گا جن کی شہرت عام بلکہ بقائے دوام قابل رشک ہوتی ہے بلاشبہ۔

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ
جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ

❁ ❁ ❁

ختم شد

❁ ❁ ❁